مذہب اہلسنت،یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

بیاد :: شیخ المشائخ حضرت علامہ السید الشاہ چندہ حسینی صوفی اشرفی

سجادہ نشین قطب رائچور آستانہ عالیہ ہاشمیہ اشرفیہ رائچور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



بنام حجۃ الاسلام

ماہنامہ سنی آواز ناگپور



چیف ایڈیٹر

مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی

Book - Post

Regd.No.144/w.s/997/88.

Sep.-Oct. 2014.

Hujjatul Islam Baname

Monthly

SUNNI AWAZ

Mohalla Ganja Khet, Old Bhandara Road, Nagpur - 440 018. Contact no.09561080392

Good News

Monthly SUNNI AWAZ Nagpur

Hindi Edition

بحمدہٖ تعالیٰ ماہنامہ ''سنی آواز'' ناگپور کو خالص خداوند قدوس کی خوشنودی اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لیے جاری کیا گیا تھا۔جس نے اپنی اشاعت کے ۳۰ سال مکمل کر لیے ہے۔۳۰ سالہ (اردو ایڈیشن) کے کامیابی کے بعد اب (ہندی ایڈیشن) بھی آچکا ہے۔خواہش مند حضرات آج ہی اپنی کاپی بک کروالیں۔

Monthly SUNNI AWAZ (Hindi Edition)
Old Bhandara Road, Ganjakhet,
Nagpur-440018. (M.s)
Mob. 09561080392.
mail@sunniawaz.com
www.sunniawaz.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ستمبر / اکتوبر ۲۰۱۴

جلد نمبر: ۲۹ شمارہ: ۱۶۹

مذھب اھلسنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

ماھنامہ حجۃ الاسلام بنام

سنی آواز ناگپور

چیف ایڈیٹر

مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائیٹر، مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی، نے شمسیہ پرنٹنگ پریس، گانجہ کھیت ناگپور سے چھپوا کر دفتر ''ماہنامہ سنی آواز'' محلہ گانجہ کھیت ناگپور، سے شائع کیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مشمولات

www.sunniawaz.com

مرکز اہلسنت

گلوبرگ

ازقلم: مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی، چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''سنی آواز'' ناگپور

میرے سامنے ماہ جولائی ۲۰۱۴ء کا مبارکپور سے شائع ہونے والا رسالہ ماہنامہ اشرفیہ ہے۔ مجھے کبھی کبھی یہ رسالہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اداریہ جو صفحہ ۳ سے شروع ہوکر صفحہ ۷ پر ختم ہوا ہے۔ اس میں جناب مدیر نے اسی پر زور دیا ہے کہ بریلی اب مرکز نہیں بلکہ اشرفیہ مبارکپور ہے چنانچہ پہلے انہوں نے خلیفہ وشاگرد اعلیٰ حضرت حضور برہان ملت جبلپوری علیہ الرحمہ کی ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ پہلے آپ جناب مدیر صاحب کے تمہیدی کلمات ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:.......

''بعض باتیں کبھی کبھی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں آج ہمیں یاد آگئے خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ایم پی برہان ملت حضرت علامہ محمد برہان الحق قادری علیہ الرحمۃ والرضوان۔ آپ نے حافظ ملت کے لئے ایک گراں قدر تحریر ارسال فرمائی تھی۔ 'عزیز العلماء نبیل الفضلا حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اوران کے ذکر خیر کے حامل علمی اور عملی شاہکار، اولاً تو ان کے شاگرد اور تلامذہ ہیں جن کے ذہن اور قلوب ظاہر اور باطن حافظ ملت کی تعلیمات اوران کے ارشادات

اور ہدایات کا مظہر ہیں دوسرا وہ مرکز علم، معدن علم، منبع علم ہے جو خوبصورت عمارت عظیمہ دارالعلوم اشرفیہ (جامعہ اشرفیہ مبارکپور) قائم ہے جسے حال کے محاورے میں یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ماہ جولائی ۲۰۱۴ء صفحہ ۳)

حضور برہان ملت رحمۃ اللہ علیہ کا حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہترین الفاظ میں بہترین خراج عقیدت ہے جو حقیقت پر مشتمل ہے حوالہ پیش کرنے میں یہاں جناب مدیر کا اصل مقصد، حضرت برہان ملت رحمۃ اللہ علیہ کی گرانقدر تحریر میں حضرت والا کے چند الفاظ ''مرکز علم، معدن علم، منبع علم'' ہی سے بحث مقصود ہے خاص کر مرکز علم سے جوانہوں نے سمجھا ہے کہ بریلی کے مقابل مرکز اشرفیہ مبارکپور ہے اسی پر انہوں نے زور دیا ہے۔ آگے چل کر انہوں نے حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطرؔ کی تحریر کا حوالہ دیکر دونوں نے یہ ناکام کوشش کی ہے کہ ''بریلی'' اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہما کے زمانۂ حیات میں مرکز تھا اب حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب قادری ازہری مدظلہ العالی کے زمانے میں مرکز نہیں ہے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

حیرت اور افسوس تو جناب مضطرؔ صاحب کے تحریر پر ہے، ان کی خدمت میں ایک شعر نذر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔؎

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

جناب مضطرؔ نے بلاوجہ حضرت تاج الشریعہ سے بغض وعداوت اختیار کی اسی بغض وعداوت کی وجہ سے بریلی شریف کے مرکز ہونے کا انکار کر بیٹھے، اور اشرفیہ مبارکپور میں بغض کی چنگاری دل میں رکھنے والوں کو ہوامل گئی۔ وہ چنگاری شعلۂ جوالا بن گئی۔ ملاحظہ فرمائیے جناب مضطرؔ کی بدحواسی کے عالم میں ان تحریر کا کچھ حصہ جسکو ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور نے شائع کیا جسکا حوالہ گزر رہا ہے'' آخری حصہ اور خصوصی خطاب'' مناظر اہلسنت، خلیفۂ مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ نے اپنے خطاب میں فرمایا ''حضرات! پہلی بات تو یہ یاد رکھئے کہ میں مصباحی نہیں ہوں، میرا اشرفیہ سے کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ میں اس کا وفادار ہوں یا غدار ہوں، مجھے کسی ایسے رشتے سے نہ وفادار کہا جا سکتا ہے نہ غدار کہا جا سکتا ہے۔ اصولاً نہ میں منظری ہوں نہ مظہری، میں صرف اور صرف نوری ہوں، یعنی میں حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھتا ہوں، میں خالص اجنبی اور نیوٹرل ہوں اسکے باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آج الحمد للہ جامعہ اشرفیہ ہی ہماری سنیت کی آبرو ہے۔'' (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ماہ جولائی ۲۰۱۴ء صفحہ ۵)

جناب مضطرؔ، ہمیشہ ہر ادارہ اور جماعت میں اپنے آپ کو خالص اجنبی اور نیوٹرل سمجھنے والوں ہی سے خطرات درپیش رہے ہیں اور آپ بھی اپنے آپ کو اجنبی اور نیوٹرل سمجھ رہے ہیں؟ جب آپ نے اپنے

آپ کو اجنبی سمجھ ہی لیا تو آپ سے ایسے ہی حرکات سرزد ہوں گی۔

جناب مضطر بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اپنے کو یہ سمجھ لیا کہ نہ میں منظری ہوں اور نہ مظہری۔ پھر آپ نے کہاں سے علمی فیضان پایا؟ کیا یوں ہی آسمان سے علم کا القا ہوا تھا؟ اگر ایسی بات ہے تو آپ کو القائی کہنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ بریلی کے خلاف جوش حسد میں اپنے آپ کو منظری اور مظہری ہونے سے بھی انکار کر بیٹھے۔ جناب مضطر کو منظری یا مظہری کہنے میں شرم کیوں محسوس ہو رہی ہے؟ جب کہ میرے استاذ مکرم حضرت حافظ ملت بھی جو اصل میں مصباحی نہیں تھے وہ صرف اور صرف منظری تھے۔ اس ناطے سے بیانگ دہل حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو منظری کہا جا سکتا ہے۔ آپ اس سے کیوں کترا رہے ہیں؟ کسی نہ کسی سے علمی فیضان پانے کا سلسلہ ہوگا اس کو آپ چھپا رہے ہیں؟ اب رہا نوری ہونے کا معاملہ یہ نسبت سلسلۂ بیعت سے تعلق رکھنے والی ہے، حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت حاصل کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو نوری لکھتے ہیں، یہ الگ نسبت ہے۔ منظری اور مظہری ہونے کی نسبت تعلیم پانے اور علمی فیضان حاصل کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے افسوس آپ اس کا انکار کر بیٹھے یہ انکار حضرت ازہری صاحب بریلوی مدظلہٗ العالی سے جوش حسد وعداوت میں ہے۔ جناب مدیر اشرفیہ نے اسی کو ابھارا کہیں آپ علمی دنیا میں بے وقعت تو نہیں ہوں گے؟ آپ نے کچھ سوچا نہیں؟ آگے جناب مضطر کہتے ہیں: ''آج کے ماحول میں، آج کی دنیا میں بلاشبہ بریلی شریف ہمارا مرکز ہے، مگر آج کے ماحول میں مرکز کا معنی اعلیٰ حضرت سے مفتیٔ اعظم ہند تک ہے''۔

چند سطر بعد جناب بڑی بے باکی سے کہتے ہیں: ''سنئے مرکز نام ہے اعلیٰ حضرت سے لے کر مفتیٔ اعظم ہند تک کا۔ اور آج یہاں سب سے بڑی شخصیت علمی، روحانی ہر اعتبار سے حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کی ہے۔'' (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ماہ جولائی ۲۰۱۴ء صفحہ ۵)

جناب مضطر نے اپنی اضطرابی کیفیت میں کہہ دیا کہ ''مرکز کا معنی اعلیٰ حضرت سے مفتیٔ اعظم ہند تک ہے'' جناب مضطر نے مرکز کا معنی سمجھا ہی نہیں۔ بغض ازہری میاں میں یہاں تک بریلی کے مرکز ہونے کو تسلیم کر لیا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دور ازہری سے بریلی کے مرکز ہونے کا انکار کر دیا۔ جناب مضطر نے بریلی کی مرکزیت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور آپ کے شہزادہ حضور مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے دور مسعود تک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بریلی کیوں مرکز کہلایا کچھ سمجھا آپ نے؟۔

دور جن سے زیادہ زبردست بد دینوں کے فتنے وحملوں کے مقابل تنہا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قلمی جہاد جس میں سیکڑوں تصنیفات اور باطل ادیان ومذاہب کا رد بلکہ بریلی سے حفاظت اسلام وسنیت کے لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم دینی خدمات ۷۰/ستر سے زیادہ علوم ومعارف پر آپ کی تصنیفات خاص کر ادیان باطل اور مرتدین کے باطل عقائد کے رد کا سلسلہ جو آپ کی پوری عمر شریف میں جاری رہا، یہی مرکز ہے، یہ ایک زبردست تحریک ہے، اسی تحریک کا نام مرکز ہے، اسی کو حضرت حجۃ الاسلام نے قائم رکھا، آپ کے بعد حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے قائم رکھا، آپ کے بعد حضرت تاج الشریعہ ازہری میاں صاحب مدظلہٗ العالی قائم رکھے ہوئے ہیں یقیناً بریلی کی مرکزیت قائم ہے۔

جناب مضطر صاحب! یہ مرکزیت اور اعلیٰ حضرت کے ذریعہ ابطال باطل کی جو تحریک برپا ہوئی تھی، حضرت ازہری میاں صاحب کے اپنے وقت مقررہ پر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ خدانخواستہ بیک وقت بریلی کے تمام حضرات اس دنیا سے تشریف لے جائیں پھر بھی بریلی ہی اہلسنت کا مرکز ہے اور رہے گا۔ اشرفیہ مبارکپور کے بغضِ ازہری میاں کے شکار حضرات، بالخصوص جناب مضطر مرکز کے معنی خوب اچھی طرح سمجھیں۔ بریلی کی مرکزیت پر جب بنام سیادت فتنے برپا کئے گئے سیکڑوں صفحات پر مشتمل مواد میں نے اہلسنت کو دیا۔ جو ماہنامہ سنی آواز ناگپور اور میری دیگر کتب سے ظاہر ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے بعض علما جو موجودہ دور میں بریلی کی مرکزیت کو اٹھا کر مبارکپور لانے میں بڑی جدوجہد فرما رہے ہیں ان کا سارا زور طلبہ کی بہتات اور ذرائع آمدنی کی کثرت اور ان سے حاصل ہونے والے کروڑوں روپیوں کا حصول اور طلبہ کے اردو عربی وفارسی خطابات پر ہے۔ موجودہ اشرفیہ مبارکپور کے ارباب اقتدار سیکڑوں طلبہ کا داخلہ اور سیکڑوں طلبہ کا داخلہ نہ ہونے کی وجہ سے واپسی اور اپنے قائم کئے ہوئے نظام تعلیم کو پورے ملک میں ممتاز مقام قرار دینے کے دعوے اور طلبہ کی اردو، انگریزی اور عربی وغیرہ زبانوں میں تقریروں کو مرکزی حیثیت قرار دیا ہے۔ واقعی

اگر ان حضرات کی یہی بات اصل ہے تو وہ لوگ اب اس زعم میں نہ رہیں۔ہم بھی سیکڑوں بلکہ ہزاروں طلبہ کا داخلہ کر سکتے ہیں اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں طلبہ کو گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان کو واپس کر سکتے ہیں۔آج کے دور میں لوگ جو بہتر سے بہتر کی تلاش میں پورے انہماک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔تعلیم میں بہتر سے بہتر کی تلاش میں اشرفیہ مبارکپور ممتاز مقام رکھتا ہے۔یہی ماحول بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی اور ادارہ قائم کرے تو اس وقت اشرفیہ کی مرکزیت کا کیا ہوگا؟ یہ جنونی اور غیر معقول باتیں چھوڑ دیجئے۔جب اشرفیہ سے زیادہ طلبہ اہلسنت کے کسی اور ادارے میں جمع ہو جائیں تو پھر اشرفیہ کی مرکزیت انہیں کے بنائے ہوئے قانون سے ختم ہو جائے گی۔

ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں،چند سال پہلے کا ذکر ہے،اشرفیہ مبارکپور کے تین طلبہ جو شاید مدھیہ پردیش یا چھتیس گڑھ علاقے سے تعلق رکھتے تھے،وہ تین طالب علم ناگپور آئے تھے۔امجدیہ ناگپور میں انہوں نے اپنا تعلیمی زعم کا انداز جو اختیار کیا تھا اس پر سبھی کو حیرانی تھی،ایسا لگ رہا تھا کہ اشرفیہ مبارکپور میں اب تعلیم کے ساتھ ،تواضع وانکساری،عجز وفروتنی،سکھائی نہیں جاتی،صرف تعلیم اور اس پر عزہ ان کا خاص جوہر ہے۔چند سال سے دارالعلوم امجدیہ ناگپور کو فراغت کے بعد جامعہ ازہر مصر میں داخلے کی منظوری مل چکی ہے۔اس میں امجدیہ ناگپور سے مصر میں داخلے کے لئے ایک طالب علم جو ایسے مدرسے سے آیا تھا جو بظاہر اشرفیہ کی طرح مشہور نہیں اور نہ تعلیم وتربیت کا شہرہ وہ طالب علم مہارشٹر ہی کا تھا اور انتہائی اسلامی عجز وانکساری اور دیگر خوبیوں کو لئے ہوئے تھا ان تینوں طالب علموں نے اس غریب الطبع طالب علم کو عربی زبان میں فخر وغرور کے انداز میں گفتگو کے پردے میں اس کو بے وقوف بنا نے اور ناکارہ ثابت کرنے اور ہنسی اڑانے کے سوا کچھ نہیں کیا تھا وہ طالب علم جو ہندوستان کے مشہور عالم دین اور عظیم مقرر حضرت مولانا صغیر احمد جوکھنپوری صاحب کے مدرسے کا نیا نیا فارغ طالب علم تھا وہ ان کے جواب میں،ہاں،جی،شکریہ آپ کی مہربانی،جیسے الفاظ سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کررہا تھا،جب اس طالب علم نے یہ دیکھا کہ مجھے بہت بے وقوف بنایا جارہا ہے تو موڈ بدلا اپنے فن کا مظاہرہ کرنے پر اتر آیا ہے اس کے بعد اس طالب علم نے بہت اعلیٰ اور عمدہ عربی الفاظ سے گفتگو شروع کی اب اشرفیہ کے یہ تینوں جو اس طالب علم کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں تھے وہ جھینپ گئے اب وہ پہلو تہی کرنے لگے اب یہ طالب علم پورے شباب پر عربی میں عمدہ گفتگو جاری رکھکر ثابت کرنے لگا کہ فن کو حاصل کرنے کے بعد غرور وتکبر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔عربی میں تقریر کا یہ عالم ہے اہلسنت کے مدارس میں تعلیم نہ صرف اشرفیہ میں اعلیٰ معیار کی کہلاتی ہے اس سے زیادہ اعلیٰ معیاری تعلیم اور مدارس اہلسنت میں بھی ہو رہی ہیں لیکن موجودہ اشرفیہ مبارکپور کے بعض یا چند علما اور طلبہ میں فروتنی نہیں ہے جس انداز سے تعلیم پر انہیں غرور ہے اس سے اچھی تعلیم اور دیگر مدارس میں بھی ہے لہٰذا یہ حضرات فخر وغرور سے کام نہیں لے سکتے۔

اب رہا طلبہ کی بہتات کا معاملہ مجھے یہ بھی بات تسلیم کہ طلبہ کی تعداد دیگر مدارس سے زیادہ اشرفیہ مبارکپور میں ہے۔اب وہ مقام دور نہیں کہ اہلسنت کے ایسے مدارس نے بھی کام شروع کر دیا ہے چند سال کے بعد وہ مدارس اشرفیہ مبارکپور کو بہت پیچھے چھوڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔اشرفیہ مبارکپور کے چند حضرات نے مبارکپور کو مرکز بنانے کا جو چکر چلایا ہے وہ شرمندۂ تعبیر ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔اے اشرفیہ مبارکپور کے ذمہ دارو کوئی ادارہ تعلیم اور کثرت طلبہ یا نشرواشاعت کی بنیاد پر ہرگز قرار نہیں پاتا،تحریک کی بنیاد پر مرکز قرار پاتا ہے وہ تحریک چلانے کے لئے آپ سب مل کر کہیں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ جیسی شخصیت لائیں جو بغیر پروپگنڈے کے وہ ادارہ وشہر مرکز کہلائے گا۔لہٰذا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانۂ حیات میں بھی یہ شوراٹھا کہ اشرفیہ مبارکپور کو مرکز قرار دیا جائے تو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے انہیں جواب دیا تھا کہ'' ٹھیک ہے پہلے آپ سب لوگ مل کر سیدنا اعلیٰ حضرت کے مزار پرانوار کو بریلی سے اٹھا کر مبارکپور لے آؤ خود بخود مبارکپور مرکز بن جائے گا'' یہ کتنا سنجیدہ معقول جواب تھا جس پر سب لوگ لاجواب ہو گئے۔ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ماہ جولائی ۲۰۱۴ء کے مذکورہ اداریہ میں حضور برہان ملت علیہ الرحمہ اشرفیہ مبارکپور کو مرکز علم تحریر فرمایا ہے اس پر ہمارا تجزیہ دیکھئے۔

یقیناً حضور برہان ملت علیہ الرحمہ نے اشرفیہ مبارکپور کو مرکز علم تحریر فرمایا جو بالکل صحیح ہے۔حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ

بابرکات میں اشرفیہ مبارکپور کی تعلیم کا یہی انداز تھا صرف تعلیم میں اشرفیہ اس زمانے میں دیگر مدارس کے مقابل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ذات کی وجہ سے مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔اس وقت کے طلبہ کا کچھ اور عالم تھا۔اب وہ ماحول کہاں، حضور برہان ملت علیہ الرحمہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

جناب مضطر اور جناب مدیر اچھی طرح سمجھیں کہ حضور برہان ملت علیہ الرحمہ نے اضافت کے ساتھ مرکز علم تحریر فرمایا ہے ۔مطلقاً ''مرکز'' نہیں تحریر فرمایا ہے۔کسی علم وفن کی طرف اضافت کے ساتھ مرکز لکھنا، اور کسی فن وعلم کی طرف بغیر اضافت کے مرکز لکھنا، دونوں میں فرق ہے ۔جب مرکز کی نسبت قوم اور جماعت کی طرف ہوتی ہے ۔جیسے اہلسنت کا مرکز ہندوستان کے سنی مسلمانوں کا مرکز وغیرہ یہ الفاظ اپنی جامعیت کی طرف دلالت کرتے ہیں اور یہ الفاظ دائمی ہوتے ہیں۔سوا سوسال سے زائد عرصے سے ان الفاظ کا اطلاق صرف بریلی کی مرکزیت پر ہی ہوتا ہے۔لفظ مرکز اپنے مالۂ، اور ماعلیہ کو شامل ہے جو اپنے تمام دینی تحفظات کو لئے ہوئے ہے۔مطلق اپنے اطلاق پر بولا جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے پچھلی اسی تحریر میں بریلی کی مرکزیت پر ہلکی سی روشنی ڈالی ہے سیدنا اعلیٰ حضرت کی تحریک کا خلاصہ یہی ہے کہ تیرہویں صدی کے اواخر اور خاص طور پر چودھویں صدی کے شروع میں آپ نے احیاء دین ،احقاق حق وابطال باطل، اور فروغ سنت کی تحریک تحفظ دینِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور کفار ومرتدین اور جملہ بد دینوں کے باطل نظریات کے خلاف چلائی ہے اسی تحریک کا نام ''مرکز'' ہے۔حضرت برہان ملت نے بغیر اضافت کے مرکز نہیں تحریر فرمایا۔وہ جانتے تھے کہ بغیر اضافت کے مرکز علیٰحدہ ہے، اور کسی بھی علم اور فن کی طرف اضافت کر کے مرکز کہنا علیٰحدہ ہے۔چند اہل علم اور ہندوستان و پاکستان کے خواص اچھی طرح سمجھ لیں ،بغیر اضافت کے صرف لفظ ''مرکز'' کا اطلاق اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی وجہ سے صرف بریلی شریف ہی کے لیئے کہا جاتا ہے۔اشرفیہ مبارکپور تو کیا دنیا کا کوئی عظیم سے عظیم تعلیمی اور فنی منفرد المثال ادارہ کہلانے والا اس کو چھین نہیں سکتا،الحمدللہ یہ مقام صرف بریلی شریف کو حاصل ہے۔

بریلی کی مرکزیت :۔ آپ قرن اول سے لے کر آج تک تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ہر دَور میں عقائدِ باطلہ کے حاملین کے خلاف دین اصول اور عقائد باطلہ سے حفاظت اور اپنے ایمان وعقیدے کی سلامتی کے لئے اپنے آپ کو کسی ایسی ذات یا کسی ایسے شہر کی طرف منسوب کیا گیا جو زمانے میں دین وایمان کی حفاظت کا ضامن ہے ورنہ عام مسلمان مدعیان اسلام کے دعوۂ اسلام وایمان اور ظاہری چمک ودمک کی وجہ سے گمراہیت میں مبتلا ہو جاتے۔

اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو چاروں مسلک حنفی ،مالکی ،شافعی ،حنبلی کے ساتھ عقائد میں دو مسلک ماتریدی اور اشعری وجود میں نہیں آتے حالانکہ اس وقت اجل ساداتِ کرام واہل بیتِ اطہار موجود تھے۔حضور سیدنا علی بن موسیٰ رضا ۲۰۳ھ سیدنا امام موسیٰ رضا بن جعفر کاظم رضا ۱۸۳ھ حضور سیدنا امام جعفر صادق ۱۴۸ھ حضور سیدنا سید الشہد اشہزادۂ گلگلوں قبا امام حسین شہید دشتِ کرب وبلا ۶۱ھ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اہلِ بیت میں کون ہوسکتا تھا۔

ان حضرات کے مرتبت سے امت اچھی طرح واقف ہے۔ ہدایت ورہنمائی کے لئے کیا ان حضرات کی ذواتِ مقدسہ کافی نہیں تھیں؟ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلک علی بن موسیٰ رضا یا مسلکِ کاظمی یا مسلکِ جعفری یا مسلک باقری یا مسلک عابدی یا مسلک حسینی کا حامل کہلائے تو کیا نجات کے لئے کافی نہیں یا مسلک عابدی یا مسلک حسینی کا مقلد کہلائے تو کیا نجات کے لیے کافی نہیں ہے؟ یقیناً ان حضرات کی طرف نسبت کرنا نجات کے لئے کافی ہے تو پھر کیوں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا امام مالک، سیدنا امام شافعی، سیدنا امام احمد بن حنبل وسیدنا امام ابو منصور ماتریدی وسیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے ہوئے ،مسلک حنفی ،مسلک مالکی، مسلک شافعی، مسلک حنبلی، مسلک ماتریدی، مسلک اشعری وجود میں آئے کہ جن مسلکوں اور مذہبوں پر امت میں بڑے بڑے اولیاء کرام ،اغواث واقطاب ،بدلاء ونجباء وفقہاء ومشائخ ،علماء وعامۃ المسلمین قائم ہیں اور ان مذہبوں اور مسلکوں پر فخر کرتے ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلکِ جعفری وباقری وغیرہ مسالک حق پر نہیں ہیں؟ یقیناً یہ مسلک حق ہیں اور مدارِ نجات ہیں۔آپ دیکھتے جائیے حضور سیدنا امام حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہم سے لیکر ائمہ اہل بیت اطہار تک کے نام لے لیکر ان کی آڑ میں بدترین گمراہ وبے دین ومرتد

فرقے وجود میں آئے۔

ہمارے ائمہ اربعہ وائمہ فقہا رضی اللہ عنہم کا احسان ہے کہ انہوں نے مسلک حسنیت ،مسلک ماتریدی اور مسلک باقری ،مسلک جعفری کے نام پر باطل وگمراہ عقائد کو چھانٹ کران مسالک کے جھوٹے نام لیواؤں سے ممتاز کر کے اصلی حسینی مسلک ،عابدی مسلک ،باقری مسلک،جعفری مسلک کے صحیح خدوخال کو پیش کرنے کے لئے اور عقائد کی درستگی اور نجاتِ آخرت کے لئے ،حنفی ،مالکی،شافعی،حنبلی،ماتریدی ،اشعری مسالک پر اجماع ہو گیا۔جس پر امت کے اکابر اولیاء کرام سے لیکر بڑے بڑے فقہاء ومحدثین،اغواث وابدال واقطاب ائمہ وعلماء انہیں مسلکوں پر قائم رہے اور اس پر خود چلے اور امت کو انہیں پر چلنے کی تلقین وتاکید فرماتے رہے۔

حالانکہ ہمارے ائمہ اربعہ اور امام ابومنصور ماتریدی وامام ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہم وہی فرماتے ہیں جو حضور سیدنا امام حسین امام زین العابدین وسیدنا امام باقر وسیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم ارشاد فرما چکے ہیں ۔اس کے باوجود حسینی مسلک ،عابدی مسلک،باقری مسلک،جعفری مسلک کا نام امت میں رائج نہیں ہے۔کیا مذکورہ مسالک نجات کے لئے کافی نہیں ہیں؟

چونکہ ان مسالک کا نام لیکر گمراہ وبدمذہبوں ومرتدوں نے دین کے اندر عقائد اسلامیہ کے خلاف نئے نئے فتنے پیدا کیے،اس لئے ان سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے تقلید ائمہ کو واجب قرار دیا۔اسی تناظر میں ،حنفیت وسنیت کے دعوے کے ساتھ کیسے کیسے باطل عقائد وجود میں آئے۔ان سب کے ردوابطال اور صحیح عقائد کے پہچان اور سنیت وحنفیت کو اختلاف عقائد باطلہ سے ممتاز کرنے کے لئے ’’بریلی‘‘اہلسنت کا مرکز کہلایا جو صبح قیامت تک کہلائے گا۔

اسی طرح جب حنفیت ،مالکیت ،شافعیت وحنبلیت وماتریدیت واشعریت کے نام پر نئے نئے عقائد جنم لینے شروع ہوئے تو اصل حنفیت ومالکیت وشافعیت وحنبلیت وماتریدیت واشعریت کو عقائد باطلہ سے چھانٹ کر گمراہیت وبے دینیت سے ممتاز کر دیا۔

جس ذات نے یہ فریضہ انجام دیا اس ذات کی طرف منسوب کر کے یا جس شہر کے علماء نے یہ جدوجہد فرمائی ان علماء کے شہر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا اصل حنفیت ، مالکیت ،شافعیت ،حنبلیت ،ماتریدیت واشعریت پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہو گیا۔

اس کی ایک کڑی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ ہیں۔تاریخ کا قاری جانتا ہے کہ اکبری دور ابتلا میں جب حنفیت کے نام پر دین الٰہی قائم کر کے دینِ متین میں فتنے برپا کیے گئے ۔اصل حنفیت کو باقی رکھنے کے لیے اکبری فتنے کے زمانے میں اپنے آپ کو مسلک مجدد کا حامل کہلوانا کافی تھا۔

مسلکِ مجددی سے مراد اس زمانے میں سنّی مراد لیا جاتا تھا جو حنفی وماتریدی ہے اس سے کوئی نیا مذہب یا نیا دین مراد نہیں لیا جاتا تھا۔اسی طرح پھر جب مسلک حنفیت کے نام پر دین کے خلاف فتنے برپا کئے گئے یہاں تک کہ انگریز کا تسلط ہوا اور اس دور میں اسماعیلی فرقہ یا اسماعیلی مسلک،وہابی مسلک،دیوبندی مسلک،قادیانی مسلک،نیچری مسلک،صلح کلی مسلک وجود میں آئے ،اور سب کے سب سنی حنفی بن کر دین میں فتنے برپا کئے۔

ان کے عقائد باطلہ سے بچنے اور وہ اپنے عقائد اسلامیہ پر کاربند رہنے اور نجاتِ آخرت کے لئے مذکورہ گمراہ ومرتد وبے دین فرقوں مسلکوں سے الگ رہنے کے لئے عرب وعجم کے اکابر ائمہ وعلماء وفقہاء نے مسلکِ اعلیٰ حضرت یا بریلویت کے الفاظ سے مسلکِ حنفیت کو معروف کیا۔اب یہ الفاظ دین وسنیت وحنفیت کے لئے علامتی نشان بن گئے جیسا کہ صاحب زادہ حضرت محدث اعظم ہند جناب علامہ محمد مدنی کچھوچھوی نے اپنے والدِ ماجد اور اکابر علماء اہلسنت سے کھلی بغاوت سے پہلے وہ یہ لکھ چکے ہیں:’’اب کوئی اشاعرہ سے ہو یا ماتریدیہ سے حنفی یا شافعی مالکی ہو یا حنبلی اگر وہ صحیح طور پر مسلک اہلسنت وجماعت پر ہے تو مذکورۃ الصدر مروجہ اصطلاح کی روشنی میں’’بریلوی‘‘ہے۔

اب’’بریلوی‘‘ہونے کے لئے’’فاضل بریلوی‘‘کی ذات گرامی تک کسی کے سلسلۂ علمی یا سلسلۂ بیعت وارادت کا پہنچنا یا شہر بریلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں رہ گیا۔اسی لئے ایسوں کو بھی بریلوی کہا جاتا ہے۔جس نے عمر بھر بریلی شریف کو خواب میں بھی نہیں دیکھا نیز جس کا علمی یا نسبی یا کسی دوسری طرح کا کوئی سلسلہ فاضل بریلوی تک نہیں پہنچتا بلکہ جہاں فاضل بریلوی کی آواز تک نہیں پہنچتی اس اصطلاح

نے ''بریلویت'' کو وہاں تک پہنچادیا۔اب اس دنیا کا ہر وہ فرد ''بریلوی'' ہے جو مسلک اہلسنت پر واقعی طور پر گامزن ہے۔'' (ماہنامہ حجاز جدید، ستمبر ر اکتوبر ۱۹۸۹ء، صفحہ ۹)

اب وہ مشائخ وسادات کو خوامخواہ ''بریلویت'' یا ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے چڑھ پیدا ہوگئی ہے، ان لوگوں کو چاہیئے کہ سب سے پہلے علامہ محمد مدنی میاں صاحب کچھوچھوی سے سوال کریں کہ آپ نے یہ پانچواں مسلک کیسے ایجاد کیا۔ یہ لفظ بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت ،وہابیوں، دیوبندیوں، قادیانیوں، نیچریوں، صلح کلیوں وغیرہ کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔اس لئے کہ یہ گمراہ ومرتد مسلکوں پر چلنے والے بھی سنیت وحنفیت کے مدعی ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت سے مراد سنیت وحنفیت کے خلاف کوئی نیا دین ونیا مسلک نہیں بلکہ وہی حنفی مسلک مراد ہے جس پر تمام ائمہ واولیاء وعلماء وعامۃ المسلمین قائم رہے۔

اہل علم وفہم کو یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ ہدایت ونجات کے لئے اور باطل وگمراہ ومرتد فرقوں کے غلط عقائد سے ممتاز ہونے اور اصل دین پر ثبات قدمی اور حنفیت پر قائم رہنے کے لئے موجودہ دور میں بریلوی مسلک یا مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہنا ضروری ہے۔ ورنہ پچھلی صدی میں کیسے کیسے باطل عقائد ونظریات مسلط کئے گئے جس کی طرف ہم مسلسل کئی سال پیشتر سے سنی آواز ناگپور، اور دیگر کتب ورسائل کے ذریعہ واضح کررہے ہیں۔جس میں مشہور زمانہ کتاب ہدیۂ ہاشمی، انوکھے نور کی برسات، ہاشمی کیسٹ پر معروضات حسینی، گل افشانیاں، بدلتے زاویئے وغیرہ کتب ورسائل میں واضح کردیا ہے۔ یہاں ان باطل عقائد کے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اشرفیہ مبارکپور نے اپنے زعم میں طلبہ کی کثرت پر اپنے ادارے کو مرکز بنانے پر بضد ہے، وہ اچھی طرح سمجھ لے اگر اشرفیہ مبارکپور میں اب جتنے طلبہ ہیں، ان سے ہزاروں گونا زیادہ تعداد میں طلبہ جمع ہوجائیں، اور طلبہ نہ صرف عربی، فارسی، اردو، انگریزی میں تقریر پر قادر ہوں بلکہ دنیا کی اکثر زبانوں پر قدرت ہو پھر بھی اشرفیہ مبارکپور مرکز نہیں کہلا سکتا۔ چاہے بریلی شریف میں حضرت تاج الشریعہ ازہری صاحب قبلہ اور دیگر بریلی کے شہزادے اس دنیا میں موجود ہوں یا نہ ہوں بریلی شریف صبح قیامت تک اہلسنت کا مرکز ہی کہلائے گا۔ بلکہ جناب مضطر اور جناب مدیر اشرفیہ بلکہ پورے اشرفیہ کو اپنی نجات کے لئے بریلی ہی کو مرکز ماننا پڑے گا۔ ورنہ یہ لوگ بریلی کی مرکزیت سے بیزاری کا اعلان کردیں دیکھیں پھر ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

ایک ضروری اعلان

امامت کبریٰ اور خلافت کبریٰ وغیرہ اصطلاح شرع کے الفاظ کا سہارا لے کر بعض اپنی جماعت کے خودغرض نادان وناا ہل دنیاوی لیڈر اپنی غلط لیڈری چمکانے کے لئے خلاف شرع احکام کے مرتکب ہورہے ہیں۔قوم ان کے دھوکے میں نہ آئے اسپر تفصیلی صحیح بحث قرآن وحدیث اور سیدنا اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی کتب سے آئیندہ شماروں میں ملاحظہ کریں گے۔ (ادارہ)

چلتی ہوئی ٹرین میں ایک اور گرفتار

رزم گاہ حق وباطل میں ایک غیر مستحسن مفتی

چلتی ٹرین پر پڑھی ہوئی صلوات واجبہ کے مسئلہ میں مفتی مطیع الرحمٰن کی غلط فہمی کا ازالہ

از: حکیم الملت مفتی ناظر اشرف قادری بریلوی، ناگپور

کئی مہینوں سے چلتی ٹرین پر نمازوں کے مسئلہ کو لیکر مشاجرات کا بازار گرم ہے۔ مفتی نظام الدین کے موقف کی تائید میں اپنا علمی جوہر دکھانے کیلئے ایک سے ایک چہرے سامنے آرہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور تفقہ فی الدین کے فقدان کے باوجود جاہ وجلال کے ساتھ میدان کارزار میں آئے اور حواس باختہ ہوکر منہ کے بل گر پڑے۔ انکا حشر دریافت کرنا چاہیں تو میرا کتابچہ ''مصباحی صاحب کی تحقیق کا پردہ فاش'' ملاحظہ فرمالیں۔ اب اگر انھیں غیرت حق ہوگی تو پھر کبھی بھی بودی تلوار لیکر رزم گاہ میں آنے کی ہمت نہیں کرینگے۔ بلکہ روز جزاء کا خوف کرتے ہوئے رجوع إلی الحق ہی کو حق وصواب جانیں گے۔

اب انکے بعد ایک غیر مستحسن مفتی جو ''ربنا اتنا فی الدینا حسنة'' پڑھ پڑھ کر اپنی چھاتی پر پھونکتے رہتے ہیں اور ''فی الآخرة حسنة'' پر غفلت کا دبیز غلاف ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ میدان عمل میں آکر اپنا جوہر علم بہت ارزاں فروخت کر رہے ہیں۔

مفتی نظام الدین کا کتابچہ ''چلتی ٹرین میں نماز کا حکم'' میں ان کا خطاب نایاب چھپا ہوا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:...''سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ یہ مسئلہ تعبدی ہے یا معلول بعلت۔ آپ حضرات چونکہ علمائے کرام اور مفتیان عظام ہیں اس لئے میں نے اصطلاحی الفاظ استعمال کئے۔ امر تعبدی ہوتو اسمیں تغیر نہیں ہوگا، جو حکم ہے اسی پر عمل ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے امر تعبدی کوئی فقیہ تو کجا؟ فقہ سے ادنی ملابست رکھنے والا شخص بھی نہیں کہیگا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ معلول بعلت ہے۔ خود اعلیٰ حضرت نے اسکی علت بیان فرمائی ہے۔ اور قاعدہ ہیکہ مسئلہ معلول بعلت ہو، تو علت کے وجود سے حکم کا وجود اور علت کے ارتفاع سے حکم کا ارتفاع ہوتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ غیر مستحسن مفتی نے ارشاد فرمایا بالکل صحیح ودرست ہیکہ چلتی ٹرین پر فرض وواجب اور ملحق بالواجب نمازیں معلول بعلت ہیں۔

مگر چند سطروں کے بعد شرارت نفس کہئے یا تلبیس ابلیس یا پھر جہالت غلیظہ! کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے یہ مسئلہ فتاویٰ رضویہ میں لکھا تو اسکی علت یہ بیان فرمائی کہ:۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے ٹرینیں روکی جاتی ہیں اور ہماری نمازوں کیلئے نہیں تو یہ منع من جھة العباد ہوا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کے موافق جو علماء تھے سب نے اسکو اپنایا۔

خط کشیدہ جملہ ''سب نے اس کو اپنایا'' موجبہ کلیہ ہے۔ سب کا لفظ استعمال کرکے غیر مستحسن مفتی نے اجماع کا دعوی کردیا اور یہ ثابت کردیا کہ مسئلہ دائرہ میں اعلیٰ حضرت کے موافق اہل سنت وجماعت کے سب علماء تھے۔ خواہ ہندوستان کے ہوں یا پاکستان کے یا بنگلہ دیش کے۔

اب مجتہد عصر کو کیا جرأت کہ وہ اجماع کے منکر ہوجائیں شاید غیر مستحسن مفتی نے خطاب نایاب پیش کرنے سے پہلے مرقات کا مطالعہ کرلیا ہوگا۔ مرقات میں ''**ان اللہ لا یجمع امتی اوقال امة محمد علی ضلالة**'' حدیث پاک کے تحت ہیکہ ''**المراد اجماع العلماء منهم ولاعبرة باجماع العوام** اور **اتبعوا السواد الاعظم** کے تحت ہے **یعبره عن الجماعة الکثیرة والمراد ماعلیه اکثر المسلمین**۔ اجماع المجتہدین محرر نہیں ہے' اجماع العلماء ہے، جو اجماع مجتہدین سے عام ہے۔ المختصر یہ ہے جن علماء کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پرخاش تھی۔ وہ حاسدین علماء بھی مسئلہ دائرہ میں مجدد اعظم قدس سرہٗ کے موافق تھے۔ کوئی ایک فرد بھی امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بتائے ہوئے حکم شرع مطہر پر عامل ہونے سے خارج نہ تھا۔ اور موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے، جس کو مجتہد صاحب نے مفہوم مخالف سے اپنی تحریرات قاصرہ ناقصہ باطلہ میں تعبیر کیا ہے۔ تو اگر فرد واحد کو بھی خارج مان لیں تو اجتماع نقیضین لازم آئیگا۔ جو محال ہے یعنی سب نے اسکو (اعادۂ صلوات واجبہ) کو اپنایا (عامل رہے اور ہیں) موجبہ کلیہ ہے اور بعض نے اسکو (اعادۂ صلوٰت واجبہ) کو نہیں اپنایا (غیر عامل رہے اور ہیں) سالبہ جزئیہ ہے اور سالبہ کلیہ جو موجبہ کلیہ کی نقیض ہے اسکو بھی ماننا باطل محض ہے تو غیر مستحسن مفتی نے یہ ثابت کردکھایا کہ مفتی نظام الدین کا اجماع علمائے مسلمین کے خلاف جو دعویٰ ہے

وہ کذب پر مبنی ہے۔ اور اسکا کذب آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن وآشکار ہے۔

چلئے خیر! اتنا تو تسلیم کرلیا غیر مستحسن مفتی صاحب نے! اور یک گونہ مفتی نظام الدین صاحب کا ٹٹو دبا ہی دیا۔

لیکن اس وقت میرا موضوع سخن صرف اور صرف یہ ہیکہ ''انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکی جاتی ہے اور ہماری نمازوں کے لئے نہیں'' اسکو امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے علت بنایا ہے یا نہیں؟

تو سنئے! اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اعلیٰ حضرت نے اسی مفہوم کو علت قرار دیا ہے۔ تو پھر کیا وجہ تھی کہ انگریز ہندوستان سے اپنی راہ لئے اور اسکی کمپنیاں بھی ۱۹۵۰ء میں ختم ہوگئیں اور ریلوے محکمۂ ہند اپنے بنائے ہوئے قوانین وضوابط کے مطابق ریل گاڑیاں چلانے لگے اور ۱۹۵۰ء کے بعد ہندوپاک کی سرزمین پر اکابر ہندوپاک میں سرکار مفتی اعظم ہند، شیر بیشہ اہل سنت، ملک العلماء، برہان ملت، محدث اعظم ہند وپاک، سید العلماء، صدر العلماء میرٹھی، حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت، شمس العلماء احسن العلماء، مفتی اعظم کانپور، شعیب الاولیاء، علامہ سعید احمد کاظمی، علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری، علامہ عبدالقیوم ہزاروی، مفتی حبیب اللہ نعیمی اشرفی وغیرہم جیسے درجنوں علماء ومشائخ نے بارہا اسفار فرمائے اور چلتی ٹرین پر پڑھی ہوئی نمازوں کے اعادہ کا حکم دیا، اور ان کبار اسلاف کے معمولات بھی اسی کے مطابق رہے تو کیا ان حضرات کی نگاہیں فتاوی رضویہ کی اس علت پر نہ تھی جسے شعوری یا غیر شعوری طور پر مصالح دینیہ کا خون کرنے والا پچھلاوی مفتی علت تامہ قرار دیرہا ہے۔

کیا انہیں اسکا علم یقینی نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے کہ قطب الارشاد شہزادۂ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے دور میں عرس رضوی کے موقع پر بہت سے ابھرتے ہوئے مسائل پر بحث وتمحیص ہوتی رہی ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ، سیپ کے چونا کا مسئلہ، چاند پر پہونچنے کا مسئلہ، رویت ہلال کا مسئلہ، اور بعضے ان مشاجرات کا فیصلہ جو آپس میں بڑے بڑے علماء میں ہوئے۔

اگر علت وہی ہوتی جسکو غیر مستحسن مفتی نے فرمایا ہے تو ضرور چلتی ٹرین پر نمازوں کے مسئلہ میں بحث ہوتی اور فیصلہ ہوجاتا۔ اور پھر یہ کہ ۱۹۸۱ء سے قبل سرکار مفتی اعظم کے زمانہ میں اشرفیہ مبارکپور سے دوسری بار فتاوی رضویہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگرانی میں چھپا۔ بیاض کے بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لیا تھا جہاں جہاں کتاب کی عبارت سے تصحیح ممکن تھی۔ اصلاح کردی گئی تھی اور یہ کارہائے نمایاں اس زمانہ کے پختہ کار علمائے کرام جو درسی علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے انہوں نے انجام دیا مثلاً ماہر علوم وفنون علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی، بحرالعلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی، مولانا شفیع اور قاری یحییٰ علیہم الرحمہ نے بار بار ایک ایک سطر پر نظر عمیق ڈالکر مبیضہ کیا۔ اس سے پہلے انگریز ہندوستان سے چلے گئے تھے اور ریلوے محکمہ اپنے قوانین کے مطابق ریل گاڑیاں چلاتے تھے۔ تو کیا ان اکابر کو بھی علم نہ ہوسکا کہ اب علت مرتفع ہوچکی ہے لہذا منع من جهة العباد کا حکم بھی مرتفع ہوگیا۔ اور فتاوی رضویہ پر کوئی حاشیہ بھی نہ چڑھا سکے۔ خود بھی حکم شرع شریف سے نابلد رہے اور قوم مسلم کو بھی غفلت میں رکھا اور پھر یادگار سلف شارح بخاری علیہ الرحمہ نے بھی ''انگریزوں کے کھانے وغیرہ کو علت قرار نہیں دیا۔ اور نزہۃ القاری شرح بخاری شریف جلد دوم ۳۷۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر چلتی ٹرین سے اترنا ناممکن ہے۔ پھر بھی یہ دشواری عذر سماوی نہیں خود بندوں کیطرف سے ہے۔ اس لئے چلتی ٹرین میں جو نمازیں پڑھیں ان کا اعادہ واجب ہے۔

اور پھر ان کے بعد فی زماننا میرے فتوی کی تصدیق کرنے والوں میں خیر الاذکیاء استاذی الکریم امام علم وفن کو تو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کیا وہ بھی ان کے نزدیک انگوٹھا چھاپ مولوی تھے یا پھر ان سے کم تر۔ انہوں نے بھی انگریزوں کے کھانے وغیرہ کو علت نہیں سمجھ پایا۔ اور میرے فتوی کی تصدیق کرکے اس دار فانی سے دار ابقاء کو تشریف لے گئے اور ان کے علاوہ سرکار تاج الشریعہ، محدث کبیر، علامہ عاشق الرحمٰن حبیبی وغیرہم جیسی علمی وفقہی قدآور شخصیتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ انکا موقف بھی وہی ہے کہ آج بھی منع من جهة العباد ہے ان حضرات نے بھی میرے فتوی کی تصدیق کی ہے تو کیا غیر مستحسن مفتی کے نزدیک سرکار مفتی اعظم ہند رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سمیت جملہ کبار علمائے کرام واسلاف عظام جاہل اور علم سے عاری تھے اور ہیں؟

مجھے یقین ہیکہ امام اہلسنت قدس سرہٗ العزیز کے جس تأسف وتذکرہ کو پچھلاوی مفتی نے تعلیل سمجھا اور تحقیق شدہ فتوے کی تغلیط وتفسید کا بیڑا اٹھا کر اکابر کی تجھیل ثابت کرنا چاہا اور دشمنان دین کے کندھوں کو گولی بھرے فنادیق سے لیس کرکے اکابر واسلاف کی ارواح کو تکلیف پہونچانا چاہا تو کیا وہ ارواح ثلاثہ یوں ہی بخشے جائیں گے۔ جواب باصواب دینا ہی پڑے گا یا پھر اعلانیہ طور پر توبۃ نصوحہ کرنی پڑیگی ورنہ شریعت کی تلواریں ان ارواح ثلاثہ کی گردنوں پر چلنے کیلئے تیز تر ہوجائیگی۔

اب اخیر میں محاکمہ ملاحظہ کیجئے! مجتہد صاحب نے منع من جهة العباد ہونے کیلئے دو شرطیں قرار دی ہیں۔

۱۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکنا۔ (ایک شرط)

۲۔ اور نمازوں کیلئے نہ روکنا۔ (دوسری شرط)

اور پچھلاوی مفتی نے ان دونوں شرطوں کو علت قرار دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پچھلاوی مفتی کے دماغ میں جو علت ہے اور فیضان سرکار مفتی اعظم ہند کے بند ہوجانے کی وجہ سے علم کی جو قلت ہے نیز کج فہمی کی وجہ سے بکواس کررہے ہیں۔ اسکا آپریشن کردوں تا کہ اسی صدمہ سے پورا کنبہ دم توڑدے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکی جاتی ہے اور نماز کیلئے نہیں تو منع من جھۃ العباد ہوا۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ والرضوان کا پہلا جملہ بر سبیل تذکرہ ہے ،نہ کہ جزء علت ، کیونکہ اس میں کچھ مفاد مسلم ہی نہیں ، اور دوسرا جملہ یعنی (ریل) نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے یہی علت ہے اور اسکا معلول منع من جھۃ العباد ہے۔

اور اب بھی نماز کیلئے ریل نہیں روکی جاتی ہے۔تو معلوم ہوا۔ علت موجود ہے اور معلول منع من جھۃ العباد بھی موجود ہے۔اور اگر پچھلاوی مفتی کا کتھا تسلیم کرلیا جائے اور ان کے بقول علت کے اجزاء مان لئے جائیں۔تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکی جاتی ہے علت کا جزء اول ہے۔ اور منع من جھۃ العباد معلول ہے تو مجھے بتایا جائے کہ انگریزوں کے کھانے کیلئے روکنا یہ منع من جھۃ العباد ہوا یا عدم منع من جھۃ العباد ہوا؟

اور اگر مجتہد اور پچھلاوی مفتی کے بقول دونوں جزء کو شرط یا علت قرار دیدیا جائے۔یعنی انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکی جاتی ہے اور نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے یہ دونوں جزء علت ہیں اور تو منع من جھۃ العباد ہوا یہ معلول ہے۔صراحتاً باطل ہے کیونکہ منطقی تو کجا؟ منطق سے ادنیٰ ملابست رکھنے والا فرد بھی یہی کہے گا کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے روکی جاتی ہے یہ سرے سے منع ہیں داخل ہی نہیں بلکہ عدم منع من جھۃ العباد ہے تو جو عدم منع من جھۃ العباد ہوا اسکو امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہ العزیز منع من جھۃ العباد قرار دیں گے؟

تف ہے! مجتہد صاحب اور پچھلاوی مفتی کی جہالت غلیظہ پر!

اور اگر اتنے آسان انداز میں بھی سمجھ میں نہ آئے۔تو اسکی تسہیل یوں کی جاتی ہیکہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے چلتی ہوئی ریل روکنا۔ یہ انگریز گورنمنٹ کی طرف سے منع میں داخل نہیں بلکہ جواز میں داخل ہے۔

اور نماز کے لئے چلتی ہوئی ریل نہ روکنا۔ یہ انگریز گورنمنٹ کیطرف سے منع من جھۃ العباد میں داخل ہے۔ جواز میں داخل نہیں ہے۔اور اگر ان دونوں جملوں کو منع من جھۃ العباد ہونے کی علت قرار دیدیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ علت کے جن دونوں جزء میں تقابل تضاد ہے۔ وہ متضادین آپس میں مل جل کر علت تامہ بن رہے ہیں اور ایسا ناممکن ومحال ہے اور جب علت کا بدھۃً وجود ناممکن ومحال ہوگیا تو معلول (منع من جھۃ العباد کا وجود) پچھلاوی مفتی کے پشت سے جنم لے گا۔ **لاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

اس توضیح سے اظہر من الشمس وابین من الامس ہوگیا کہ۔اور (ریل) نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے۔صرف یہی علت ہے اور منع من جھۃ العباد اسکا معلول ہے۔

اور اب بھی یہی علت پائی جارہی ہے۔(یعنی ریل نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے) تو منع من جھۃ العباد معلول بھی ضرور پایا جائیگا ورنہ علت کا وجود ہوا اور معلول معدوم رہے۔کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا۔

اور منع من جھۃ العباد یہ خود علت بھی ہے۔مگر اس کا معلول اعادۂ صلوات واجبہ ہے۔تو جب منع من جھۃ العباد پالیا گیا تو لاجرم اسکا معلول اعادۂ صلوات واجبہ کا وجود متحقق ہوگیا۔تو جو حضرات منع من جھۃ العباد کو علت قرار دیرہے ہیں وہ حضرات بالکل صحیح فرمارہے ہیں کہ اعادۂ صلوات واجبہ کی علت منع من جھۃ العباد ہی ہے نہ کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے ریل کو روکنا۔تو درحقیقت یہ ثابت ہوا کہ منع من جھۃ العباد علت بھی ہے اور معلول بھی (یعنی ریل نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے) اس علت کا معلول منع من جھۃ العباد ہے۔اور منع من جھۃ العباد یہ خود علت ہے۔اور اس علت کا معلول اعادۂ صلوات واجبہ ہے۔

میں نے خصوصیت کے ساتھ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوری کیلئے ہندی کی چندی کرکے سمجھا دیا اور انکی ذہانت کیوجہ سے مجھے یقین کامل ہیکہ وہ رجوع ای الی الحق فرما کر اپنی قدیم روش پر آجائیں گے۔۱۲

اپنا تو کام ہے جلاتے چلو چراغ
رستے میں دوست یا دشمن کا گھر ملے

مفتی مضطر صاحب چونکہ بہت بڑے منطقی ہیں ،انہوں نے انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لئے روکنا ،اور نماز کیلئے نہ روکنا ،ان دونوں جملوں کو علت قرار دیا ہے۔اور منع من جھۃ العباد کو معلول۔اسی لئے میں نے علی سبیل التنزل انکی کتھا تسلیم کرکے تفصیلی تسہیل کرکے سمجھا دیا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے ریل روکنا ،اور نماز کیلئے نہ روکنا ، یہ دونوں معلول ہیں ۔اور ان دونوں کی علت اختیار عبد ہے۔اور ان دونوں جملوں کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کیلئے نہ روکی جائے۔اور نماز کیلئے روکی جائے ۔یہ دونوں معلول ہیں ۔اور ان دونوں کی علت بھی اختیار عبد ہی ہے۔اور جہاں اختیار عبد ہو، وہاں اگر منع متحقق ہوگا ،تو

منع من جھۃ العباد ہی ہوگا۔اور منع من جھۃ العباد اختیار عبد کا معلول ہی ہوگا ۔اور اگر عدم منع ہوگا ،وہ بھی اختیار عبد کا معلول ہی ہوگا ۔نہ کہ اختیار باری تعالیٰ عزاسمہٖ کا معلول۔اور جب دونوں صورتوں میں اختیار عبد کا معلول،منع من جھۃ العباد ہی ہے،تو جہاں منع من جھۃ العباد ہوگا ،اعادۂ صلوات واجبہ ہوگا۔

اسی سے ظاہر ہوگیا کہ،انگریزوں کے دور میں بھی نماز کیلئے نہیں روکی جاتی تھی ۔یہ منع من جھۃ العباد تھا۔اور آج بھی ریلوے محکمہ کیطرف سے نماز کیلئے نہیں روکی جاتی ہے۔تو آج بھی منع من جھۃ العباد ہوا۔جسکا نتیجہ یہ ہے کہ،آج بھی اعادۂ صلوات واجبہ وملحق بھا واجب ہے۔۱۲

آنکھیں ہیں گر بند تو دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا آفتاب کا

کتبہ:۔

فقیر ناظر اشرف قادری بریلوی

دارالعلوم اعلیٰ حضرت رضانگر،کلمنا،ناگپور

مصباحی صاحب کی تحقیق کا

’’پردہ فاش‘‘

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق تو یہی ہے کہ چلتی ٹرینوں پر پڑھی ہوئی فرض وواجب اور ملحق بالواجب نمازوں کے اعادہ پر جمیع اہلسنت کے اکابر واصاغر کا اتفاق ہے۔اور آج بھی وہی علل واسباب موجود ہیں جو امام اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے عصر میں تھے۔

مگر مفتی نظام الدین صاحب پندرہویں صدی کے محقق اور مجتہد ہیں۔انہوں نے امام اہلسنت اور صدر الشریعہ کے فتوے اور علماء ومشائخ کے معمولات سے صرف نظر کرکے ۱۷۔۱۸۔۱۹ر مئی ۲۰۱۳ء کو جامعۃ البرکات علیگڑھ میں مجلس شرعی مبارکپور کے سیمینار کے تحت دیوبندیوں ،وہابیوں کی تجہیل کے مطابق جواز کا فتویٰ صادر فرما کر اخبار ورسائل میں چھپوادیا۔اور ان کے بعض احباب مونچھ پر تاؤ دیکر کہنے لگے کہ جناب ہندوستان کے ساٹھ مفتیوں ،علیگڑھ کے ائمہ اور پروفیسروں کا متفقہ فیصلہ ہو چکا ہے ،کہ اب چلتی ہوئی ٹرینوں پر پڑھی ہوئی نمازیں دہرائی نہیں جائیں گی ۔کیونکہ تیز رفتار ٹرینیں چل رہی ہیں ۔کئی کئی ساعتوں کے بعد رکتی ہیں ،اور اسکا ذمہ دار ریلوے محکمہ کو بھی قرار نہیں دیا جاسکتا،اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ رضویہ سے بھی یہی صراحتاً ثابت ہے۔وغیرہ وغیرہ خرافات کثیرہ کے راگ الاپنے لگے۔لہٰذا اب ٹرینوں کا نہ رکنا،منع من جھۃ العباد سے نکل کر منع من جھۃ اللہ ہوگیا۔

اس مسئلہ پر قارئین کرام نے ’’میرا تاریخی فتویٰ‘‘ سیف الاسلام اور صمصام الاسلام ’’ملاحظہ فرمالیا ہے۔اور ہندوستان کے کثیر اکابر واصاغر علماء ومشائخ کی تائیدات وتصدیقات کی زیارتیں بھی فرمالی ہیں ۔حق واضح ہوجانے کے بعد ایک حق شناس آدمی کی فطرت کا تقاضا تو یہی ہونا چاہیے،کہ رجوع الی الحق فرما کر آخرت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتے ۔مگر روز جزاء کے خوف سے بے پرواہ ہوکر مفتی نظام الدین اور ان کے دست راست علامہ محمد احمد مصباحی صاحب ،میرے فتویٰ اور مقالات کے جوابات سے لاجواب ہوکر ڈیڑھ اینٹ کی دیوار چننے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس تعلق سے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مفتی نظام الدین اور ان کے یار غار مصباحی صاحب کی خیالی کہانی کی داستان کو تسلیم کرلی جائے ،کہ ٹھیک ہے۔امام اہلسنت اور صدر شریعت علیہما الرحمہ کے دور میں پیسنجر گاڑیاں چل رہی تھیں ۔اور ٹھہرنے کا وقفہ زیادہ ہوتا تھا۔اور اب راجدھانی،شتابدی وغیرہ چل رہی ہیں۔لہٰذا تیز رفتاری اور ٹھہرنے کا وقفہ قلیل ہونے کیوجہ سے عذر سماوی ہوگیا۔

مفتی نظام الدین فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت میں ص۷۸ پر لکھتے ہیں کہ بیس یا تیس سال پہلے جب محکمۂ ریل نے ٹرین کے اندر ہی مسافروں کے لئے کھانا پہنچانے کا انتظام کردیا،تو اس کے بعد سے ٹرین کسی کے کھانے کیلئے نہیں روکی جاتی۔مصباحی صاحب نے بھی مجتہد صاحب کی اتباع کی ہے۔انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ بیس سال یا زیادہ عرصے سے یہ حال ہے کہ ٹرینوں کے ٹھہرنے میں کھانے کے اوقات کی خاص رعایت بالکل نہیں رہتی۔

عذر سماوی ہونے کی یہ دلیل مجتہد صاحب اور مصباحی صاحب کی تحقیق کی قلعی کھول دیتی ہے۔کیا ایسی اناب شناب دلیلوں سے چلتی ٹرین پر نماز عذر سماوی ہوجائیگی ۔حیرت ہے ۔اور بالائے حیرت تو یہ ہیکہ ماضی قریب کے اس فقیہ النفس کے فرمان عالیشان کے متعلق وہ حضرات کیا فرمائیں گے،جنکی جوتیوں کی خاک کے صدقے میں ان حضرات کو فقہ کے اصول وضوابط پر غور وفکر کرنے کا ہلکا سا شعور آیا ہے۔کیا ان کے زمانے میں راجدھانی نہیں چل رہی تھی،شتابی کا وجود نہیں تھا اے،پی،تامل ناڈو،گیتا نجلی وغیرہ وغیرہ تیز رفتار ٹرینیں خلاؤں میں پرواز کررہی تھی؟یا پٹریوں پرہی چل رہی تھی؟ وہ اپنی کتاب نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد دوم ص۳۷۴ر پر صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ:

’’چلتی ٹرین سے اترنا ناممکن ہے۔پھر بھی یہ دشواری عذر سماوی نہیں ،خود بندوں کیطرف سے ہے ۔اسی لئے چلتی ٹرین میں جو نمازیں پڑھیں،انکا اعادہ واجب ہے۔‘‘

شارح بخاری علیہ الرحمہ کے ذکر کردہ حکم شرع شریف کے بیان کے بعد بھی اگر مفتی نظام الدین اوران کے ہمنوا رجوع میں عارمحسوس کرتے ہیں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ بیجا شہرت و ناموری کا بھوت ان حضرات کے دماغوں پر صراع کی شکل اختیار کرلیا ہے اوراس لاعلاج مرض کا علاج بارگاہ خداوندی میں دعوات وافرہ ہی ہے اوربس۔

اس تحریر سے میرا موضوع سخن مفتی نظام الدین اوران کے دست راست علامہ مصباحی کی تحقیقات کی نقاب کشائی ہے۔

ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی فروری ۲۰۱۴ء میں ص ۳۴ ؍سے ۳۹؍تک، علامہ مصباحی صاحب کی تحریر'' اکیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت، عوام خواص کی نگاہوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔'' اسی مضمون کے ص ۳۵؍ پر مصباحی صاحب لکھتے ہیں:

چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ مجلس شرعی سے نشر شدہ دو کتابوں میں پوری علمی و تحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوچ کے واضح کیا جاچکا ہے۔(۱) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے (۲) چلتی ٹرین میں نماز کا حکم۔

اہل علم ان دونوں کا مطالعہ کریں۔انشاءاللہ پوری تشفی ہوجائیگی۔

مصباحی صاحب کا یہ فرمانا کہ ''پوری علمی و تحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوچ کے واضح کیا گیا ہے۔غالباً مصباحی صاحب گالی گلوچ صرف اسے ہی سمجھتے ہیں جو سڑکوں پر آوارہ ، بدمعاش ،سڑک چھاپ لوگ آپس میں ماں،بہن وغیرہ کے ساتھ گالی گلوچ کرتے ہیں۔''

اگر مصباحی صاحب کو یہ معلوم ہوتا کہ گالی گلوچ کا مفہوم یہ ہے کہ جس سے کسی کی تحقیر و تنقیص اور دل آزاری ہو،تو مذکورہ بالا جملہ تحریر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے کہ ہم نے تو اعلی حضرت امام اہلسنت ،حضور صدر الشریعہ،سرکار مفتی اعظم ہند کے دور سے لیکر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق علیہم الرحمۃ والرضوان سمیت بے شمار پاکیزہ خصائل،قدسی صفات ذوات کی تحقیر و تنقیص اور دل آزاری کرکے من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذیٰ اللہ کے تحت سخت مجرم ہوچکے ہیں۔

اور پھر یہ جملہ کہ ''اہل علم ان دونوں کا مطالعہ کریں ،انشاء اللہ پوری تشفی ہو جائیگی'' حالانکہ مصباحی صاحب کو یوں لکھنا تھا کہ اہل علم ان دونوں کا مطالعہ کریں،انشاءاللہ حق کی خلاف ورزی کیوجہ سے پوری تشنگی باقی رہ جائیگی۔اور ایک جملہ کا یوں اضافہ فرمانا تھا کہ یہ دونوں کتابیں مجتہد صاحب کی تحقیقات کا پردہ فاش کردیا ہے۔

سب سے پہلے میں وہ تحریریں پیش کردوں،جنکو متعدد بار چھپوا کر گلوخلاصی کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔اور مرشدنا الاعظم قطب الارشاد سیدنا مفتی اعظم عالم قدس سرہٗ کی قدسی صفات ذات پر ناروا حملہ کرکے جہل مرکب کے شکار ہو چلے ہیں۔

مجتہد صاحب رقمطراز ہیں کہ'' حلال وحرام'' یا''حرام کو حلال ''جس کو کفر کہا گیا ہے ،وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریات دین سے ہے۔یا کم ازکم نصوص قطعیہ سے ثابت ہو۔یہاں تک کہ حضرت سیدی مرشدی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو مشہور مسائل ''سجدۂ تعظیمی کا جواز'' وغیرہ میں قول جمہور سے اختلاف کا حکم یہ بیان فرمایا:

''ان مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے۔اگرچہ وہ لائق التفات نہیں ،مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچا دیا ہے،جوان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے ،اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں'' (فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت ص ۱۲/۱۱)

(۲) اور مجتہد صاحب ''چلتی ٹرین میں نماز کی اجازت'' کے تحت گل افشانی فرماتے ہیں کہ: فتاویٰ رضویہ کا یہ سبق یاد رکھئے،اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن جائز نہیں۔

سجدۂ تعظیمی کے بارے میں امت کا تقریباً اتفاق ہے کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔کتاب اللہ سے سنت رسول اللہ سے اور اقوال علماء سے مزین کر کے اعلیٰ حضرت نے ایک عظیم رسالہ ''الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ'' لکھا ہے۔اسمیں ثابت کیا ہیکہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند فتاویٰ مصطفویہ میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے،اوران کا اختلاف قابل التفات نہیں ہے، پھر بھی اس سے یہ فائدہ ملا کہ جولوگ انکی پیروی کر کے سجدۂ تحیت کو جائز کہتے ہیں،ان کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔'' جب ایسے مسئلے میں اختلاف کرنے والے کے بارے میں حضور مفتی اعظم ہند فرما رہے ہیں کہ ان کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔توجہاں اختلاف کی بو بھی نہیں آتی ،وہاں فاسق ،گمراہ، جاہل اوراس طرح کے الفاظ شریفانہ کیسے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) علامہ مصباحی صاحب اپنے خطبۂ صدارت ص ۳۷؍ ماہنامہ کنزالایمان۔فروری ۲۰۱۴ء میں اپنے قلم کو یوں جنبش دیتے ہیں کہ خیر یہ تو ایک نیا مسئلہ ہے۔سجدۂ تعظیمی کی حرمت تو ایسا قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے کہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے ''الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ'' میں اس پر آیات و تفاسیر کے علاوہ چالیس حدیثیں اور ڈیڑھ سو فقہی نصوص پیش کئے ہیں ۔چاروں مذاہب کے آئمہ کا اس پر اجماع بتایا ہے،مگر سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے صراحت فرمائی ہے کہ مخالفین حرمت کی پیروی میں سجدۂ تعظیمی کا ارتکاب کرنے والوں پر حکم تفسیق نہیں۔(دیکھئے فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۵۶؍اور

فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت ص (۱۲/۱۱)

تبصرہ میں مولانا محمد احمد مصباحی اوران کے صدر مفتی کو چیلنج کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب آپ دونوں اپنے پیرو مرشد کی بارگاہ میں اس قدر گستاخ اور بے باک ہو چکے ہیں، تو پھر آپ لوگوں سے کیا بعید ہیکہ دوسروں پر الزام واتہام لگانے میں کوئی کسر اٹھا رکھیں گے۔

آپ دونوں نے سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز پر جو بہتان باندھا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند فرماتے ہیں کہ (سجدۂ تعظیمی کے مرتکب کو) فاسق نہیں کہا جاسکتا، کیا اس کا ثبوت فتاویٰ مصطفویہ سے دے سکتے ہیں؟

میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ دونوں پر کبر ونخوت کیوجہ سے پیرو مرشد کا فیضان بند ہو چکا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ فتاویٰ مصطفویہ کی عام فہم عبارت کے سمجھنے سے بھی آپ دونوں قاصر ہوں۔

سرکار مفتی اعظم کیطرف جس قول کو آپ دونوں نے منسوب کیا ہے، وہ قول ان پیروں کیطرف منسوب ہے، جو سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دے رہے ہیں۔

اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ دونوں کی عقلوں پر جہالت کا عمیق حجاب نہیں ہے تو پھر یہی کہا جاسکتا ہیکہ سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کی بتمامہٖ عبارت سے چشم پوشی کر کے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ، ہم لوگوں نے اگر چلتی ٹرین پر نمازوں کے مسئلہ میں قول جمہور سے اختلاف کیا ہے، اجماع کی خلاف ورزی کی ہے، تو کوئی حرج کی بات نہیں، اس لئے کہ ہمارے پیرو مرشد نے بھی سجدۂ تعظیمی کے جواز کے قائلین کو حکم فسق سے بچا دیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔

چہ جائیکہ فاسق، گمراہ اور جاہل۔

مسرت کی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگوں نے تسلیم ہی کرلیا کہ ہم لوگوں نے قول جمہور سے اختلاف کیا ہے۔ اجماع کی مخالفت کی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا کسی مجتہد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی فرد کے قول محکم کو ترک کر کے ان پر بہتان باندھیں، اگر مبارکپوری مجتہد اوران کے قائم مقام کیلئے مباح ہے۔ تو اسکی اباحت پر قرآن واحادیث یا پھر اقوال ائمہ سے سند پیش فرمائیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

قارئین کرام سماعت فرمائیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ سے سوال کیا گیا جسکا خلاصہ یہ ہیکہ پیر صاحب اپنے مریدین کے ساتھ قوالی، باجے گاجے کے ساتھ سنتے تھے، جن مکاروں پر مصنوعی حال آتا تھا، وہ پیر صاحب کو بے حجابانہ سجدے کرتے تھے۔ پیر صاحب سے دریافت کیا گیا، تو پیر صاحب کہنے لگے کہ پیر کو سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ اس کے جواب میں سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ”قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام و ناجائز و گناہ ہے، اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی (حرام)“

ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگر چہ وہ لائق التفات نہیں، مگر اوس (یا انہوں نے) (یا بعض صاحبوں نے) ان مبتلاؤں کو (یعنی قوالی مع مزامیر سننے والوں اور سجدۂ تعظیمی جائز کہنے والوں کو) حکم فسق سے بچا دیا ہے، جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔

مگر سنئے! سنئے! حکم شرع شریف سنئے! سرکار مفتی اعظم عالم قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر چہ شرعاً ان پر اب دہرا الزام ہے، ایک ارتکاب حرام کا۔ دوسرا اسے جائز سمجھنا خلافِ قولِ صحیح جمہور پر چلنے کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پڑھ لیا آپ حضرات نے! سرکار مفتی اعظم عالم کیا فرما رہے ہیں؟ اور مبارکپوری مجتہد اوران کے قائم مقام کیا بکواس کر رہے ہیں؟

ع

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مگر سنئے! جنکے چشمان قلوب پر عداوت کی پٹی بندھی نہیں ہے۔ وہ سب آپ دونوں پر تھوک رہے ہیں، کہ کوئی بھی ملّا اپنے مرشد پر اتنا زبر دست بہتان نہیں باندھ سکتا ہے، کہ جو مسئلہ اجماعی ہو، اس کے خلاف کرنے والوں کو فاسق و مرتکب حرام بھی نہیں فرمائیں گے۔ جان بخشی کے لئے جو دلیل ڈھونڈ کر لائے تھے، وہ راستے ہی میں چکنا چور ہوگئی۔ اور پیرو مرشد کی بارگاہ میں گستاخی کی ایسی سزا ملی، جسکی پاداش میں سوائے توبۂ نصوحہ اور رجوع الی الحق کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

کہاں ہیں؟ وہ مریدانِ جانباز جو سرکار مفتی اعظم کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اور اپنے آپ کو سچا مرید تصور کرتے ہیں۔

اور کہاں ہیں؟ وہ جبہ و دستار والے جو حضور مفتی اعظم ہند کی خلافت کے آڑ میں کروڑوں روپے جمع کر رہے ہیں۔

اور کہاں ہیں؟ وہ سچے اور پکے رضا کے گن گانے والے حضرات سامنے کیوں نہیں آتے؟ اور مجتہد صاحب اور ان کے قائم مقام کے گریبان پکڑ کر ان دونوں سے مطالبہ کیوں نہیں کرتے، کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی ماؤں کا دودھ پیا ہے تو دکھائیں کہ حضور مفتی اعظم ہند نے فتاویٰ مصطفویہ میں کہاں یہ فرمایا ہے کہ میرا قول یہی ہے کہ، مجمع علیہ مسئلہ کے خلاف ورزی پر بھی کسی کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ یا قول جمہور کی مخالفت کرنے والوں پر بھی حکم

تفسیق نہیں۔ایسے ہی لوگوں کے حق میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہو گئے ایسے فقیہانِ حرم بے توفیق

مصباحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

غور طلب امر یہ ہے کہ محکمۂ ریلوے براہ راست ادائے نماز سے مانع کبھی نہ رہا۔پھر اسے نماز سے مانع کیوں قرار دیا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ نماز کیلئے ایک شرط استقرار علی الارض ہے، جو ٹرین رواں ہونے کیصورت میں پوری نہیں ہوتی ۔اگر محکمۂ ریلوے اوقات طعام کیطرح اوقات نماز میں ٹرین روکنے کا انتظام کرتا، تو یہ شرط ضرور پوری ہو جاتی (ص ۳۶)

کیا فرمارہے ہیں مصباحی صاحب، یہی نا کہ، اگر محکمۂ ریلوے اوقات طعام کیطرح اوقات نماز میں ٹرین روکنے کا انتظام کرتا، تو یہ شرط ضرور پوری ہو جاتی۔

لیکن محکمۂ ریلوے اوقات نماز میں ٹرین روکنے کا انتظام نہیں کرتا ہے تو یہ شرط یقیناً پوری نہیں ہو پاتی ہے۔

اب میں مصباحی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ منع من جھۃ العباد ہوا، یا منع من جھۃ اللہ۔مصباحی صاحب کا فرمان عالیشان خودان کے گلے کی ہڈی بن گیا۔یا یوں کہا جائے کہ ع

لو خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ہزاروں تاویلات کے بعد بھی مصباحی صاحب منع من جھۃ العباد کا ہی قول کر رہے ہیں، اور اپنے غلط موقف کے دلدل سے نکلنے کے لئے ہزاروں جتن کرنے کے باوجود نکل نہیں پارہے ہیں۔اسی کو کہتے ہیں۔حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔

مصباحی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

میں یہ بھی صراحت کر دوں کہ ٹرینوں کا نظام اور ان پر نمازوں کا جواز یا عدم جواز کا مسئلہ قرآن وحدیث کا کوئی منصوص مسئلہ نہیں۔ایک نیا اور فرعی مسئلہ ہے، جسمیں اگر کوئی فریق دلیل کی تطبیق وتفہیم میں خطا کر جائے، تو اسے گمراہ، یا فاسق ٹھہرانا روانہیں۔(ص ۳۷)

اور ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ:

یہ تو ہمارے دور کی بات ہے، مفتی اعظم قدس سرہٗ اور جمہور علماء اہلسنت ، لاؤڈاسپیکر پر نماز کی اقتداء نا جائز کہتے تھے۔میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

اور اسی پیرا گراف کے آخر میں لکھتے ہیں کہ مگر مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ان حضرات یا ان کے متبعین پر نہ حکم فسق عائد کیا، نہ بریلی کے سنی مسلمانوں کو انکی اقتدا سے روکا۔نہ اپنی اجازت وخلافت سے محروم کیا۔

مصباحی صاحب! معاف فرمائیے۔آپ بھی صحبت مجتہد میں رہ کر اجتہاد میں یک گونہ مقام رکھتے ہیں، اسی لئے آپ نے لاؤڈاسپیکر پر نماز کی اقتدا کے جواز یا عدم جواز پر، ٹرینوں میں نماز کے جواز اور عدم جواز کو قیاس فرمایا ہے۔اور دونوں کو نیا (نو پید) مسئلہ فرمایا ہے، حالانکہ دونوں میں بون بعید ہے۔

سماعت فرمائیے۔

فرض وواجب اور ملحق بالواجب نمازوں کے پڑھنے کیلئے استقرار علی الارض اوعلیٰ ماعلی الارض شرط صحت ہے یہ نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ بہت ہی قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے۔

ایسے ہی عذر من جھۃ العباد ہو، تو عذر شرعی نہیں اور عذر من جھۃ اللہ ہو تو عذر شرعی ہے۔یہ بھی قدیم فقہائے کرام کی کتابوں میں مصرح ہے۔

ایسے ہی منع من جھۃ العباد کا عذر شرعی نہ ہونا امر اجماعی ہے، اسی پر یہ متفرع ہے کہ چلتی ٹرین پر فرض وواجب وملحق بالواجب ادا نہیں ہو سکتے، کہ یہ صورت بلاشبہ منع من جھۃ العباد کی صورت ہے۔اور جو اصل اجماعی پر متفرع ہو، وہ ضرور اجماعی ہے۔

یہ قاعدہ بھی قدیم کتب اصول فقہ میں موجود ہے۔

اور یہ بھی امور مسلمہ میں سے ہے کہ جہاں من جھۃ العباد خوف ہو حکم اعادہ، متیقن۔اور جہاں من جھۃ اللہ خوف طاری ہو، عدم اعادۂ صلوات متبین۔(اس جزی قاعدہ کی بھی صراحت کتب متداولہ میں مندرج ہے)

انہی جیسے اصول وضوابط کی اساس پر ''چلتی ٹرین پر نماز'' اور قافلۂ حجاج کیلئے چلتی سواری (اونٹوں) پر نماز کے مسائل طواف کر رہے ہیں، جسکی توضیح بلیغ، تنقیح ملیح، میرا تاریخی فتویٰ اور سیف الاسلام میں آفتاب نصف النہار کیطرح چمک رہا ہے۔بار بار ملاحظہ کیجئے۔

اور لاؤڈاسپیکر کا مسئلہ یقیناً جدید مسئلہ ہے، لاؤڈاسپیکر کی آواز اصلی ہے یا نقلی۔جدید آلہ ہونے کیوجہ سے خود متکلم فیہ محتاج تحقیق، لاؤڈاسپیکر کی صناعت کی تدقیق اولاً دشوار وصعوبت کش، مفتی سید افضل حسین علیہ الرحمہ نے اپنے طور پر جواز اقتداء کی تحقیق پیش کی۔اور سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ نے فطرت فقہ کی بناء پر اپنی تحقیق میں غیر آواز متکلم قرار دیا۔اور عدم جواز کی تحقیق پیش فرمائی، بعد میں جمہور علماء سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے متبع ہوئے، اور آخر عمر میں مفتی سید افضل حسین اور ان کے تلمیذ رشید مفتی جہانگیر اعظمی علیہ الرحمہ نے رجوع الی الحق فرمایا۔

اس جدید مسئلہ کو مستحکم اصول دین پر قائم 'چلتی ٹرین پر نماز کے مسئلہ' کو قیاس کرنا یا قدیم اصول دین کے مطابق چلتی ٹرین پر نماز کے حکم شرع شریف کو ایک مسئلۂ جدیدہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر اقتداء کے مسئلہ میں کوئی فرد بھی اپنے دلائل و براہین کی بنیاد پر جمہور سے اختلاف کرے، تو اس کو ضال و مضل نہیں کہا جا سکتا ۔لیکن وہ مسئلہ جو شرعی اصول و ضوابط کے تحت مجمع علیہ ہے، اسکی مخالفت پر ضال و مضل کا حکم ہونا ہی چاہیئے ۔

مصباحی صاحب ! آپ کیلئے ادیب العلماء کا خطاب ہی نہایت موزوں اور مناسب تھا۔مگر معلوم نہیں ،مناسب خطاب و ٹائٹل کو ترک کر کے ایک غیر مناسب اور غیر موزوں ٹائٹل ''صدر العلماء'' جامعہ اشرفیہ کے طلبہ و مدرسین نے آپ کو عطا فرمادیا، جس پر آپ بہت نازاں ہیں، کہ اب ہم آسمانِ علم و فضل کے اوج ثریا تک پہونچ چکے ہیں۔

حضرت والا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ،ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہوتا ہے ۔خارج از اسلام ہوتا ہے ۔اور ضروریاتِ مذہب اہل سنت و جماعت کا منکر کافر نہیں، بلکہ گمراہ، بدمذہب اور بددین کہلاتا ہے۔

اور میں نے ماسبق میں بتادیا کہ جہاں منع من جھۃ العباد ہو اس کا عذر شرعی نہ ہونا امر اجماعی ہے الیٰ آخرہ۔اور مجمع علیہ ہونا، دلیل قطعی کہلاتا ہے ۔اگرچہ ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے،اسی لئے اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ گمراہ، بددین کہلاتا ہے۔

اور چلتی ٹرین پر پڑھی ہوئی صلوٰات واجبہ و ملحق بھا کے اعادہ پر اہلسنت و جماعت کے علماء و مشائخ کا اجماع اصول دین اور قواعد شرع کے مطابق ہے۔اور اس کے خلاف پر آج تک آپ کے مجتہد صاحب کوئی دلیل نہ لاسکے۔

اور لاؤڈ اسپیکر پر نمازوں کی اقتدا کا مسئلہ ظنیات محتملہ میں سے ہے۔لہٰذا قائلین جواز کو نہ گنہگار کہا جاسکتا ہے، نہ گمراہ، اور نہ ہی کافر۔

ہاں اگر لاؤڈ اسپیکر پر نمازوں کی اقتدا کے مسئلہ کو ثابتات محکمہ میں سے تسلیم کرلیا جائے (جیسا کہ بعد میں علماء احناف نے تسلیم کرلیا) تو اس کا منکر وضوح امر کے بعد خاطی و آثم ضرور ہے ۔یہی وجہ تھی کہ جب جمہور علماء احناف نے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے ارشاد فرمائے ہوئے حکم شرع شریف کو قبول کرلیا، تو بحر العلوم حضرت مفتی سید افضل حسین علیہ الرحمہ اور ان کے تلمیذ رشید مفتی جہانگیر اعظمی علیہ الرحمہ نے رجوع فرمالیا۔ تا کہ خطا کار و گنہگار ہونے سے بچ جائیں۔اور ہم لوگوں پر حکم تفسیق نہ ہو۔

مصباحی صاحب ! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''چلتی ٹرین پر نماز کا مسئلہ'' ایک نیا فرعی مسئلہ ہے تو کیا (نو پید) فرعی مسئلہ اجماعی نہیں ہوتا ہے ۔اس تعلق سے آپ کے پاس کیا دلیلیں ہیں ۔کاش ارقام فرمادیتے تو بہت مہربانی ہوتی۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ فرعی مسئلہ بھی اجماعی ہوتا ہے۔امام اہلسنت مجدد اعظم نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ'' وہ فاروق جن کیلئے صحابۂ کرام کا اجماع کہ ''عمر علم کے نو حصے لے گئے'' جبکہ ابوبکر صدیق صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔'' یہ فرعی مسئلہ ہے یا اصول دین؟ ایسے ہی زکوٰۃ اصول دین میں سے ہے۔اور ائمہ اربعہ کا اجماع قائم ہیکہ سادات کرام اور سائر بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا حرام قطعی ہے ۔یہ فرعی مسئلہ ہے یا اصول دین ؟ایسے ہی قیام تعظیم پر اجماع قائم ہے۔یہ مسئلہ فرعی ہے یا اصول دینی؟

ایسے ہی تعظیم و توقیر سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰت والتسلیم ،ضروریاتِ دین میں سے ہے ۔اس کا منکر کافر و مرتد و خارج از اسلام ہے ۔مگر محفل میلاد شریف، ضروریات دین میں سے نہیں ہے ۔بلکہ تعظیم سید المرسلین ﷺ کی فرع ہے ۔مگر علماء نے اس کے جواز و استحسان کو اجماعی فرمایا ہے۔یہ محفل میلاد شریف فرعی مسئلہ ہے یا اصول دین؟

ایسے امثلہ کتب متداولہ میں بکثرت موجود۔اس کے باوجود آپ فرمارہے ہیں کہ فرعی مسئلہ ہے جس کا مستفاد یہ ہے کہ، اجماع قائم نہیں ہوسکتا ہے۔تعجب خیز امر ہے۔

مصباحی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شان ہمارے کرم فرماؤں کی ہے ۔جنہوں نے آج کے نو پیدا ''فرعی مسئلہ چلتی ٹرین پر نماز'' سے متعلق جواز بلا اعادہ کے قائلین کو فسق و ضلال تک پہونچانے کی جسارت کی ہے۔اور ان کے پیچھے نماز کی ادائیگی ناجائز لکھی ہے۔نہ خوف خدا، نہ رسول سے حیاء، نہ مرشد سے شرم، نہ مرشد کے مرشد کا پاس ولحاظ، فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہا نہ اصول ۔

مصباحی صاحب کے مذکورہ بالا جملوں پر غور فرمائیے۔وہ صاحب تفقہ فی الدین کے کس اونچے درجہ میں فائز ہیں، جو ایک سانس میں اپنا عندیہ پیش کرتے ہوئے مجھے کتنے شریفانہ الفاظ استعمال کر گئے ،اور ان کے بقول اسے گالی گلوج کا نام بھی نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہیکہ حضرت والا نصف شب میں مراقبہ فرمارہے تھے۔اور ابلیس ان کے قلب میں القاء کر رہا تھا ۔اسی لئے انہوں نے ذکر کردہ جملوں کو اپنے اجتہاد کا جزء لاینفک تصور کیا اور مضمون میں شامل کر کے اشاعت کر دیا۔اور اپنے تئیں یہ سوچنے لگے کہ ہم نے دین اسلام کا بہت بڑا فرض نبھادیا۔اور فتاویٰ رضویہ میں مندرج حکم شرع شریف سے عدول کر کے مجھ پر برس پڑے کہ'' اور ان کے پیچھے نماز کی ادائیگی ناجائز لکھی ہے''

مصباحی صاحب ! سلگتے انگارے کو ہاتھ پر رکھتے تو ہاتھ جلتا۔مگر اپنی زبان پر رکھ کر زبان کو سوخت کر دیا ہے۔سماعت فرمائیے۔میں نے اپنے فتویٰ میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۷۰ کا یہ اقتباس پیش کیا ہے۔امام اہلسنت مجدد اعظم قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ

’’اگر قصداً جھوٹا فتویٰ دیا۔قابل امامت نہیں کہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا۔اور جہالت سے ایک آدھ بار فتویٰ میں دخل دیا،اسے سمجھایا جائے۔تائب ہو،اور آئندہ باز رہے۔تو اسکی امامت میں حرج نہیں۔اور اگر عادی ہے اور نہیں چھوڑتا،تو فاسق ہے۔اور لائق امامت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔‘‘

مصباحی صاحب ! اگر آپ کو فتاویٰ رضویہ میں درج شدہ فتویٰ سے نفرت ہے،تو دوبارہ مجلس برکات سے چھپوا کر اسے خارج کر دیجئے۔اور پھر یہ لکھئے کہ ان کے پیچھے نماز کی ادائیگی ناجائز لکھی ہے۔

محترم حضرات! میرا گمان غالب یہی تھا کہ مجتہد صاحب فقاہت میں درک رکھتے ہیں۔اور مفتی شریف الحق علیہ الرحمہ کے نزھۃ القاری میں مندرج حکم شریعت سے بھی واقف ہیں۔لہٰذا اگر اجتہاداً غلطی ہوئی ہے تو ماضی قریب کے فقیہ النفس کا تحریری فتویٰ،پڑھ کر رجوع الی الحق کر لیں گے۔مگر دیکھا جارہا ہے کہ مجتہد صاحب اور ان کے قائم مقام دونوں ایک ہی تھالی کے بیگن ہیں۔اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے ذکر کردہ فتویٰ سے انحراف پر تلے ہوئے ہیں۔اور شارح بخاری علیہ الرحمہ کے فتویٰ کی دھجیاں بکھیرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔اس موقع پر مصباحی صاحب کے یہی جملوں کو دہرا کر انکی بے جا جسارت پر تبصرہ رسید کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ،نہ خوف خدا،نہ رسول سے حیا،نہ مرشد سے شرم،نہ مرشد کے مرشد کا پاس ولحاظ۔فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہا،نہ اصول۔جو چاہا لکھ مارا۔شریعت آپ کے گھر کی کھیتی ہوگئی،جو آپ کے مزاج کے مطابق ہو،اسکا نرخ اونچا کر کے خرید لیں۔اور جو خلاف مزاج یار ہو،اسکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں،بلکہ گھن محسوس کریں۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام القاء شدہ جملے لا بشرط شئی کے درجہ میں طابق النعل بالنعل کیطرح آپ پر اور آپ کے کرم نوا مجتہد پر چسپاں ہیں،جو لاریب فیھا کے مرتبہ میں ہیں۔خداوند قدوس آپ دونوں کو سچی سمجھ عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

مسلک اعلیٰ حضرت علماء اھلسنت کی نظر میں

مبلغ اسلام مولینا شاہ عبد العلیم صاحب میرٹھی: خلیفۂ اعلیٰ حضرت یورپ وایشیاء وافریقہ حضرت مولانا الشاہ عبدالعلیم صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ کے متعلق ان کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی میاں نے ۱۳۹۷ء کے عرس امجدی کے موقع پر دار العلوم امجدیہ کراچی کے جلسۂ عام میں بتایا کہ میرے والد گرامی مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی ایک نصیحت میرے پاس موجود ہے فرمایا’’الحمد للہ میں مسلک اہلسنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے اور وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے اور الحمد للہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمد للہ آخری وقت اسی مسلک اعلیٰ حضرت پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں خاتمہ بالخیر ہو۔‘‘

امیر ملت ونبیرۂ امیر ملت: نبیرۂ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری حضرت مولانا صاحبزادہ پیر سید اختر حسین علی پوری ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی ظفر علی صاحب نعمانی رضوی مہتمم دار العلوم امجدیہ کراچی کی سانگلہ کی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے فقیر راقم الحروف محمد حسن علی رضوی بریلوی سے گفتگو کے دوران فرمایا’’میرے یعنی پیر سید اختر حسین صاحب علی پوری جد محترم حجرت محدث علی پوری علیہ الرحمہ کا مسلک وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ہے۔‘‘

حضرت محدث اعظم پاکستان: فخر الاماثل حضرت علامہ مولانا محمد حسن علی صاحب میلسی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں حضرت علامہ ابو الفضل مولانا شاہ محمد سردار صاحب قادری چشتی رضوی محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ نے راقم الحروف فقیر قادری محمد حسن علی الرضوی کے نام پیشتر مکاتب میں مسلک اعلیٰ حضرت مذہب اہل سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین فرمائی حضرت ممدوح کے ایک سو کے قریب اہم خطوط فقیر کے پاس محفوظ ہیں،جن میں مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دعا فرمائی گئی ہے حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان قدس سرہٗ نے اپنے شجرۂ قادریہ رضویہ چشتیہ صابریہ میں ضروری ہدایات کے ذیل میں فرمایا’’اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہٗ کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہیں ان کا مسلک اہل سنت و جماعت ہے۔‘‘

مفتی اعظم دھلی: حضرت علامہ الحاج مفتی محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی شاہی امام وخطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی علیہ الرحمہ فقیر راقم الحروف محمد حسن علی الرضوی غفرلہٗ کے نام اپنے ایک اہم مکتوب گرامی میں ارقام فرماتے ہیں’’اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے مسلک وتحقیقات می کس کا زہرہ ہے کہ جرأت لب کشائی کر سکے۔‘‘

مفتی ابو البرکات: مولانا سید احمد قادری فقیر (علامہ حسن علی صاحب میلسی) کے ایک جواب میں ارشاد فرماتے ہیں’’تعجب ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت بریلوی قدس سرہٗ کے فتویٰ ہوتے ہوئے فقیر سے استفسار کیا جارہا ہے،فقیر کا اور فقیر کے آبا اجداد کا وہی مسلک ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ہے۔‘‘

تعمیر بیت اللہ شریف

از:-حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی حسنی نوری جمالی، رامپور

بیت اللہ شریف ''خانۂ کعبہ'' کو کہا جاتا ہے، جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے، دنیا کی عبادت گاہوں میں بیت اللہ شریف (زَادَھَااللہ شَرفاً وَ تَعْظِیْماً) اللہ تعالیٰ کی سب سے قدیم اور پہلی عبادت گاہ ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کا راہنما۔ (آل عمران:۹۶) اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے اس مکان کو ظاہری، باطنی حسی اور معنوی برکات سے معمور فرمایا اور سارے جہاں کی ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا، ظاہری برکت یہ ہے کہ خانۂ کعبہ جائے امن ہے جو کوئی بھی اس میں داخل ہو جائے وہ مامون و محفوظ ہو جاتا ہے خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہ ہو۔ باطنی برکت یہ ہے کہ بعض انبیائے سابقین اور خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس متبرک مکان سے ربط و تعلق رہا، نیز خانۂ کعبہ پر ہر وقت اللہ کی بیشمار رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے حسی اور معنوی برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مکان میں ایسی کشش اور جاذبیت رکھی ہے کہ ہر بندۂ مومن اس کی زیارت کا متمنی رہتا ہے اور کشاں کشاں اس کی طرف چلا آتا ہے۔ بیت اللہ شریف کی اسی عظمتِ شان کے پیش نظر اس کی تعمیر و دیگر خدمات کو عوام الناس بلکہ زیادہ تر بادشاہوں نے اپنی سعادت سمجھا، مورخین نے لکھا ہے کہ معلوم ذرائع کے مطابق اب تک بیت اللہ شریف کی تعمیر بارہ (۱۲) مرتبہ ہو چکی ہے، جن میں سے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بقیہ تعمیرات کا ذکر یا تو احادیث میں ہے یا تاریخی روایات میں موجود ہے۔ ذیل میں اولاً تعمیر بیت اللہ شریف سے متعلق مختلف روایات اور اقوال کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ثانیاً! بیت اللہ شریف کی تعمیر کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے تفصیل ملاحظہ ہو۔

تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان:

اس مسئلہ میں مختلف روایات اور مختلف اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی، یا حضرت آدم نے کی تھی یا حضرت ابراہیم نے کی تھی۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ''عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا اللہ نے فرمایا اے آدم میرے لیے ایک بیت (گھر) بناؤ پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر حضرت آدم نے حرا، طور زیتا، طور سینا، جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے اتارا تو فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا، جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے، طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھا لیا گیا انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹)

ان دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۷-۴۰۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

دوسری روایت کو علامہ عینی نے بھی بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں: ''کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا، دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے بنایا، تیسری بار ظہور الاسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا چوتھی مرتبہ حضرت ابن الزبیر نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر لیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا منشا تھا، پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا، ایک قول یہ کہ حضرت ابراہیم کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا اور امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔'' (الروض الانف ج ۱، ص ۱۲۸-۱۲۷،

مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث مرفوع مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اور قوی قول یہ ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا، حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ پھر کعبہ منہدم ہو گیا پھر اس کو عمالقہ نے بنایا، پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور زہری سے روایت ہے کہ اس وقت آپ بلوغت کے قریب تھے۔'' (البدایہ والنہایہ ج۱ ص ۱۲۸-۱۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری سے امام زہری کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ''اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے بنایا ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا، امام ابن اسحاق نے کہا اس کو سب سے پہلے حضرت آدم نے بنایا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔'' (عمدۃ القاری، ج۱۶، ص ۲۸۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المیر یہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ کعبہ کو دس مرتبہ بنایا گیا:

(۱) پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا۔ (۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم نے بنایا۔ (۳) تیسری بار حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔ (۴) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ (۵) پانچویں بار قوم عمالقہ نے بنایا۔ (۶) چھٹی بار جرہم نے بنایا۔ (۷) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا۔ (۸) آٹھویں بار قریش نے بنایا۔ (۹) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر نے رسول اللہ ﷺ کے حسب منشا کعبہ کو بنایا اس میں دو دروازے رکھے ایک داخل ہونے اور ایک خارج ہونے کا، اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے، اور آپ کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم پر بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ نے نہیں بنایا تھا۔ (۱۰) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۴۴-۱۴۳، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

(۱) فرشتوں کی تعمیر:- بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی تعمیر فرشتوں کے ذریعہ ہوئی، یہ تعمیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل کی گئی۔ (مرقاۃ ۵/۴۱۹) صاحب تفسیر مظہری نے اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کے ذیل میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت علی بن حسین سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان تعمیر فرمایا جسے بیت المعمور کہتے ہیں، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں، فرشتوں نے اس کا طواف کیا، پھر زمینی فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر بھی اس گھر یعنی بیت المعمور کے مانند ایک گھر بناؤ، فرشتوں نے تعمیل حکم میں بیت اللہ کی تعمیر کی اور اس کا طواف کیا اور اس عمارت کا نام ''ضراح'' رکھا۔ (تفسیر مظہری ۲/۹۵) اس روایت کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ امام قرطبی نے بھی نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی اول تعمیر اللہ کے حکم سے فرشتوں نے کی۔

(۲) تعمیر حضرت آدم علیہ السلام:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر آئے تو فرشتوں کی صحبت اور ان کی پاکیزہ باتیں سننے کو نہ ملیں جس کی وجہ سے دل مغموم اور اداس ہو گیا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میں فرشتوں سے الگ ہو گیا ہوں، اکیلے پن کا احساس ہو رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ مکہ معظمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اور اس کے پاس نماز پڑھیں، جس طرح کہ فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے اور نماز پڑھتے ہیں، چنانچہ جبرئیل امین کی رہنمائی میں حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ پہنچے، جبرئیل امین نے اپنا پَر مار کر ''بیت اللہ شریف'' کی بنیادیں ظاہر کر دیں جو بہت گہری تھیں، پھر فرشتے پانچ مختلف پہاڑوں سے پتھر لائے اور حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کے ساتھ مل کر ان پتھروں سے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا شرف حاصل کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پتھروں سے بنیادیں بھر دیں، جب بنیادیں اُبھر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے جنت کا ایک خیمہ جو یاقوت کا تھا، ان بنیادوں پر رکھوایا، اس طرح یہ تعمیر ہوئی۔ فرشتے جن پہاڑوں

سے پتھر لائے تھے ان کے نام یہ ہیں: جبل لبنان، جبل طور، جبل ابوقبیس، جبلِ جودی اور جبل حراء۔ (ابنِ کثیر ۱/۲۳۶) جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہو گئی تو حضرت آدم علیہ السلام کو اس کا طواف کرنے کا حکم ہوا۔

(۳) تعمیر حضرت شیث علیہ السلام:- امام ازرقی حضرت ذہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے جنت سے اتارا گیا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد آسمانوں پر اٹھا لیا تھا، تب ان ہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر کی، جو طوفانِ نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ:۱۹)

(۴) تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام:- اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے کو ''وادیٔ غیر ذی زرع'' میں چھوڑ دیا اور کبھی کبھی ان کی خبر گیری کے لیے مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ تیسرا سفرِ مکہ تھا تو اس سفر میں آپ نے اپنے ہونہار مطیع و فرمانبردار بیٹے سے فرمایا: ''مجھے خدا تعالیٰ نے خانۂ کعبہ تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے، کیا تم اس کام میں میرا ساتھ دو گے؟ حلیم و بردبار بیٹے نے جواب دیا: آپ ضرور تعمیر کیجئے، خدمت کے لیے میں حاضر ہوں، اس وقت بیت اللہ شریف والی جگہ سرخ ابھرے ہوئے ٹیلے کی شکل میں تھی اور اس کی بنیادیں دب چکی تھیں، آپ کی دعا کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی بنیادوں کی نشاندہی فرمائی، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اس جگہ کھدائی شروع کردی، یہاں تک کہ وہ قدیم بنیادیں ظاہر ہو گئیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی، پھر باپ بیٹے دونوں نے مل کر تعمیر کا کام شروع کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک مزدور کی طرح پہاڑوں سے پتھر لا لا کر اپنے والد کو دیتے جاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک معمار کی طرح ان پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر کرتے جاتے اور ساتھ ہی ساتھ اس خدمت کی قبولیت کی دعا بھی کرتے جاتے جس کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے: اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ: اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۲۷)

جب بیت اللہ شریف کی دیواریں بلند ہو کر اس مقام تک پہونچ گئیں جہاں حجر اسود لگا ہوا ہے تو جبرئیل امین کی نشاندہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو پتھر جبل ابی قبیس کے چھوٹے سے کوہ سے دستیاب ہوئے، ان میں سے ایک حجر اسود اور دوسرا مقام ابراہیم کے نام سے متعارف ہے۔ (ملخص ابن کثیر جلد اول) حضرت ابراہیم کی اس تعمیر میں بیت اللہ شریف کی چھت نہیں تھی اور موجودہ حطیم بھی نہیں تھا، نیز اس کے دو دروازے تھے جو سطح زمین سے ملے ہوئے تھے۔

(۵) تعمیر بنو جرہم:- قبیلہ بنی جرہم جو ابتداءً بیت اللہ کے اطراف آباد ہوا اور اسی قبیلہ کے سردار مضاض بن عمرو کی لڑکی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح ہوا، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کردہ خانۂ کعبہ مرورِ زمانہ اور بارش کی وجہ سے بوسیدہ ہو چکا تھا، اسی لیے بنو جرہم نے اس کی تعمیر کی۔

(۶) تعمیر عمالقہ:- بنو جرہم کے بعد بیت اللہ شریف کی تعمیر کا شرف قوم عمالقہ کو حاصل ہوا، ان دونوں تعمیروں کے سلسلے میں علامہ آلوسی نے اس ترتیب کے برعکس اول تعمیر ''عمالقہ'' پھر تعمیر ''بنو جرہم'' کا ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی ۹/۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارتِ کعبہ جب منہدم ہو گئی تو پھر بنو جرہم نے اس کو ازسرِنو تعمیر کیا اور جب بنو جرہم کی تعمیر بھی منہدم ہو گئی تو قوم عمالقہ نے اسے بنایا۔ (اعلام الاعلام:۲۴)

(۷) تعمیر قصی بن کلاب:- قصی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پانچویں جد امجد تھے۔ آپ کا اصل نام زید تھا۔ آپ اپنے وقت کے انتہائی زیرک و حوصلہ مند، بہادر اور فہم و فراست میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو بنی خزاعہ کے سردار حُلَیْل نے ان کے حسنِ سیرت و صورت اور مردانہ وجاہت سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی حُبّٰی کی شادی آپ کے ساتھ کردی۔ (اشرف السیر ۱۰۲)

حُلَیْل اس وقت خانہ کعبہ کا متولی تھا جب بڑھاپے کی وجہ سے تولیت کے فرائض انجام دینے کے لائق نہ رہ گیا تو اپنی جگہ اپنی بیٹی کو متولی بنا کر اَبُوْ غُبْشَان یا ابوغشیان نامی ایک شخص کو اس کا وکیل مقرر کر دیا۔ حُلَیْل کے انتقال کے بعد ابوغشان نے ایک مشکیزہ شراب اور سارنگی کے عوض اپنا حقِ تولیت قُصَیْ کے ہاتھوں فروخت کر دیا (ضیاء النبی ۱/۴۲۲) بنی خزاعہ کو

قُصَیَّ کا متولی بننا اچھا نہ لگا اور بزورِ شمشیر اُن سے یہ منصب چھین لینے کی کوشش کی۔ خوفناک جنگ ہوئی بہت سے لوگ مارے گئے لیکن فیصلہ نہ ہو سکا بالآخر ایک کنعانی سردار عمرو ابن عوف کو ثالث تسلیم کرتے ہوئے دونوں فریق اِس بات پر متفق ہوئے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گا دونوں فریق اس کو مان لیں گے اور کسی کو اس سے انحراف کا حق نہ ہوگا۔

چنانچہ عمرو بن عوف نے فیصلہ کیا کہ مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی تولیت کے حقدار قُصَیَّ ہیں بنوخزاعہ مکہ چھوڑ کر نکل جائیں۔ مکہ پر حکومت قُصَیَّ کی ہوگی۔ اس طرح زمامِ اقتدار قصیٰ کے ہاتھ آئی تو سب سے پہلے انہوں نے قریش کی شیرازہ بندی کی اور عرب بھر میں بکھری ہوئی اپنی قوم کو یکجا کر کے مکہ میں آباد کیا۔ آپ کے اس جرأت مندانہ اور دانش مندانہ عمل نے قریش کے وقار کو بہت بلند کر دیا قصیٰ کے بعد اُن کے لڑکے عبد مناف نے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ (اسلام منزل بہ منزل ص ۴۲ تا ۴۳)

قُصَیَّ بن کلاب نے بہت سے نمایاں کام انجام دیئے، ان ہی میں سے ایک نمایاں خدمت بیت اللہ شریف کی تعمیر بھی ہے، قریش میں آپ پہلے شخص ہیں جن کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی سعادت حاصل ہوئی، آپ نے قریش کو بیت اللہ کی تعمیر کی جانب متوجہ کیا، چنانچہ قریش نے اس کے لیے معقول رقم جمع کی اور بیت اللہ کی قدیم بوسیدہ عمارت منہدم کر کے اسے ازسرِنو تعمیر کیا۔ اس تعمیر کی خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار خانۂ کعبہ پر چھت تعمیر ہوئی، کیونکہ اب تک کعبۃ اللہ پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی، اس تعمیر میں کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں سے چھت ڈالی گئی۔ (تاریخ القویم ۳/۱۲۹)

انتہائی خطرناک اور بھیانک سازش:-

قصیٰ اور ہاشم کے دورِ اقتدار میں قیصر نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ عربوں کو اپنے ملک میں آزادانہ تجارت کی جو اجازت دے رکھی تھی اور ساتھ ہی شاہِ حبش کو بھی آمادہ کر لیا تھا کہ وہ بھی عربوں کو زیادہ سے زیادہ تجارت کی مراعات دینے کی کوشش کرے۔ تو دراصل ان مراعات کے پس پردہ دو انتہائی بھیانک اور خطرناک سازشیں کام کر رہی تھیں۔

ایک خالص سیاسی اور دوسری مذہبی۔ قیصر چاہتا تھا کہ اس طرح عرب ایران کے مقابلے میں ہماری طرف زیادہ مائل رہیں اور ہم پر اعتماد کرتے رہیں تا کہ ہم ان کے تجارتی راستوں پر مضبوط گرفت کے ساتھ ساتھ ان کے تجارتی ذرائع پر بھی برابر نگار رکھ سکیں۔ اس طرح اِس خالص سیاسی اور اقتصادی تعلقات کے پردے میں آہستہ آہستہ عیسائیت کے رواج و فروغ کا بھی راستہ ہموار ہوتا جائے گا۔

یاد رہے کہ اس مکارانہ سازش اور فریب کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ چودہ سو برس بعد آج بھی یہی ذہنیت کام کر رہی ہے، مختلف طریقوں سے تھوڑی بہت مراعات اور امداد کے بہانے آج بھی ممالکِ اسلامیہ پر مسلّط ہونے کی اسی پالیسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے عیش کوش و بے غیرت اور ہوسِ اقتدار کے متوالے حکمرانوں کی سمجھ میں بات نہ آئے لیکن حقیقت تو بہرحال حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تحفظ کے بہانے سے تسلط ہوتا جاتا ہے
گھر اپنا ہے مگر ان کی نگہبانی نہیں جاتی

غالباً اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی جو یمن کے مرکزی شہر صنعاء میں ایک نہایت عظیم الشان کلیسا کی تعمیر عمل میں آئی۔ جسے ابرہۃ الاشرم نے تعمیر کرایا تھا۔ ابرہہ بہت ہی کٹر اور متعصب قسم کا عیسائی اور حبش کے عیسائی بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو اپنے بادشاہ اور اس کے اتحادی قیصر سے اجازت لیکر عربوں کو ہدایت جاری کر دی کہ وہ خانہ کعبہ کے بجائے ہمارے اِس عظیم کلیسا کو اپنا معبد بنائیں اور اِسی کا حج وطواف کیا کریں۔

یہ پہلا موقع تھا جب غیور و بہادر عربوں کی غیرتِ دینی کو چیلنج کیا گیا تھا۔ سنتے ہی پوری قوم بھڑک اٹھی کہ چند تجارتی مراعات کے بدلے ہمارے دین و مذہب کو خریدنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے۔ ہر شخص غیظ و غضب کا پتلا بن گیا یہاں تک کہ ایک مشتعِل کنعانی نوجوان نے رات کو اس کلیسا میں جا کر قیام کیا اور موقع پاتے ہی عین عیسائیوں کی عبادت کرنے کی جگہ کو گندگی سے ملوث کر کے فرار ہوگیا۔

واقعہ فیل:- اس واقعہ نے ابرہہ اور اس کے سرپرست اتحادیوں کی سازشوں کے سارے تار و پو بکھیر کر رکھدیئے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ عرب اُن کی مذہبی رہنمائی کو کبھی اور کسی قیمت پر قبول نہیں کر سکتے اور یہ کہ جب تک مکہ میں کعبہ ہے عرب میں عیسائیت کی دال نہیں گل سکتی (اور یہی سوچ آج بھی برقرار اور جدوجہد جاری ہے اور امت مسلمہ کیلئے کسی بھی وقت خطرہ بن سکتی ہے)۔

مطمئن جس کے سہارے پہ ہیں کشتی والے
انہیں موجوں ہی کے حلقے نہ بنیں دام کہیں

صبح ہوتے ہی یہ خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔
جب ابرہہ کو عربوں کے اس خاموش غیر متوقع ذلت آمیز جواب کا پتہ چلا تو غصہ سے تلملا اٹھا۔ مٹھی بھر بے سروساماں عربوں کی اِس توہین آمیز حرکت اور حکم کی سرتابی نے اُسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ آتشِ انتقام میں جلتے ہوئے اُس نے قسم کھائی کہ عربوں کے معبد خانہ کعبہ کو جب تک ڈھا کر زمیں بوس اور نیست و نابود کر کے اس کے نام و نشان تک کو نہ مٹا دے گا دم نہیں لے سکتا۔

چنانچہ اپنے اس ناپاک اور گندے ارادے کی تعمیل کی غرض سے ساٹھ ہزار لشکرِ جرار کے ساتھ جس میں چودہ قلعہ شکن (جن سے عمارتوں کے ڈھانے اور گرانے کا کام لیا جاتا تھا) ہاتھی بھی تھے آگے بڑھا۔ طاقت کے نشہ میں بدمست منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا مکہ کے قریب پہنچ کر وادیِ مُغَمِّس میں پڑاؤ ڈال دیتا ہے اور اپنے ایک افسر کو چند فوجی نوجوان کے ہمراہ آگے روانہ کر دیتا ہے۔ یہ بدمست فوجی تہامہ کی وادی میں پہنچ کر قریشیوں اور دیگر قبائل کے چرتے ہوئے مویشیوں پر قبضہ کر لیتے ہیں ان میں کم و بیش دو سو اونٹ مکہ کے سردار حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے۔

حضرت عبدالمطلب اور ابرھہ کی ملاقات:-

ابرہہ نے اپنے ایک قاصد کے ذریعہ مکہ والوں کو پیغام بھیجا کہ جنگ اور خوں ریزی ہمارا مقصد نہیں ہم تو صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے اور منہدم کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ تم سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے تم لوگوں کے لئے بہتر ہوگا کہ ہمارے راستے کی دیوار بننے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم مقابلہ پر نہ آئے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ہر شخص اپنے اہل و عیال اور جان و مال کے ساتھ محفوظ ہوگا۔ بصورتِ دیگر تمہیں جس بھیانک تباہی کا سامنا کرنا ہوگا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اپنی قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے پیشِ نظر حضرت عبدالمطلب اکابرینِ مکہ کے ساتھ باہم مشورہ کرنے کے بعد پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ مقابلہ ہمارے بس کا نہیں۔ اب گھر والا ہی اپنے گھر کی حفاظت جس طرح چاہے گا کرے گا ہماری بے سروسامانی اور مجبوری سے وہ بے خبر نہیں اور دلوں کے حال سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔

خدا پر ہے بھروسہ ناخدا کیا کام آئے گا
اٹھاتا ہے جو طوفاں روک بھی سکتا ہے طوفاں کو

قاصد کی حضرت عبدالمطلب سے بات چیت ہوئی تو آپ نے بتایا کہ ہم بے سروسامان لوگ خود ہی جنگ نہیں چاہتے۔ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ ہمارے بس کا نہیں۔ البتہ ہماری اِملاک (گھوڑے، اونٹ، بکریاں وغیرہ) جن پر تمہارے فوجیوں نے قبضہ کر رکھا ہے واپس کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ ہمارا تم سے کوئی مطالبہ نہیں نہ ہی ہم تمہارے راستے میں آئیں گے۔ قاصد نے کہا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں آپ میرے ساتھ چلیں۔ حاکم اعلیٰ (ابرہہ) سے بات کر لیں مجھے یقین ہے معاملہ خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہو جائے گا۔

دلچسپ اور سبق آموز مکالمہ:-

حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ انتہائی پروقار اور رعب و داب والے وجیہہ و شکیل سردار تھے۔ چنانچہ جیسے ہی ابرہہ کی نظر آپ پر پڑی مرعوب ہو کر تخت سے نیچے اتر کر بے اختیار استقبال کے لئے آگے بڑھا اور پھر ان کے ساتھ ہی قالین پر بیٹھ گیا۔

گفتگو شروع کرتے ہوئے ابرہہ نے پوچھا۔ فرمائیے آپ کیا چاہتے ہیں کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سپاہی ہمارے کچھ مویشی پکڑ لائے ہیں میں انہیں لینے آیا ہوں تم ان سے کہو وہ ہمارے مویشی واپس کر دیں یہ سن کر ابرہہ حیرت زدہ ہو کر منہ تکنے لگا اور چند لمحے توقف کے بعد کہنے لگا آپ کو معلوم ہے کہ میرے آنے کا مقصد انہدامِ کعبہ اور اس کو نیست و نابود کرنا ہے۔ دیکھ رہے ہیں ساٹھ ہزار کا لشکر جرار میرے اشارے کا منتظر ہے۔ بس اک ذرا جنبشِ لب کی دیر ہے پھر اس دھرتی پر نہ کعبہ کا نام و نشان ہوگا۔ اہلِ عرب کے اس واحد مرکزِ عقیدت و معبد اور پرستش گاہ کی حفاظت و صیانت کی تمام تر ذمہ داری بحیثیت سردار و حکمراں آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ زیرک و دانائی میں اپنا جواب نہ رکھنے والا عرب سردار اِن الجھے ہوئے حالات کی گتھیاں سلجھانے اور اس ناگہانی آفت و یلغار سے اپنے مرکزِ عقیدت اور اپنی قوم کو بچانے کے لئے کوئی معقول اور فکر انگیز تجویز لیکر آیا ہوگا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں؟ فکر ہے تو صرف اپنے چند

اونٹوں اور گھوڑوں کی۔ ابرہہ بولتا رہا اور حضرت عبدالمطلب خاموشی سے سنتے رہے۔ جب ابرہہ اپنی بات پوری کر چکا تو آپ نے پوری طمانیت قلب اور تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پروقار انداز میں ارشاد فرمایا:

'' مجھے تو تمہاری اس حیرانی پر حیرت ہے۔ اتنی سیدھی اور سادی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو میں کیا کر سکتا ہوں کہ ملکیت کی حفاظت خود مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مویشی ہمارے ہیں ہمیں ان کی فکر ہے۔ رہا کعبہ تو اس کا بھی ایک مالک ہے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ وہ حفاظت کرنا بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ تم تو بس ہمارے مویشی ہمارے حوالے کردو۔ باقی تم جانو کعبہ والا جانے۔ بالآخر ابرہہ نے مویشیوں کو لوٹا دینے کا حکم دے دیا اور پھر بھرپور فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ دیکھتا ہوں کون کعبہ کو میری یلغار سے بچاتا ہے۔''

حضرت عبدالمطلب اپنے مالک کے آستانے پر:-

حضرت عبدالمطلب اپنے مال مویشی لیکر واپس لوٹ آئے۔ مکہ والوں کو ہدایت کردی کہ شہر خالی کر دیا جائے، سب لوگ اردگرد کی پہاڑیوں کی طرف نکل جائیں اور خود اپنے مالک کی چوکھٹ پر آپڑے۔ دستِ دعا بلند کیا۔ عرض کی میرے مولا میرے شہید و بصیر مالک صلیب پرستوں نے آ گھیرا ہے اپنے اطاعت شعاروں اور وفاداروں کی مدد فرما۔ بلاشبہ تیری فوج پر صلیبیوں کی فوج کبھی غالب نہیں آسکتی۔ رب العالمین ہم بھی تیرے گھر بھی تیرا اپنوں کی حفاظت سبھی کرتے ہیں تو بھی ہماری اور اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

بابِ کعبہ سے بابِ اجابت کچھ دور نہ تھا۔ ادھر دل سے دعا نکلی ادھر شرف قبولیت نے بڑھ کے اپنے دامن کرم میں لے لیا۔ جبینِ عبدالمطلب سے ایک شعاعِ نور پھوٹی، پیغام ملا، پکارنے والے تیرے رب نے تیری پکار سن لی یقیناً وہی محافظِ حقیقی ہے، اطمنان رکھ وہ اپنے گھر ہی کی نہیں گھر کے پڑوسیوں کی بھی حفاظت فرمائے گا۔ دعا کے بعد حضرت عبدالمطلب بھی پہاڑ پر پہنچ کر نتیجے کے ظہور کا انتظار کرنے لگے۔

نصرتِ الٰہی کا ظہور اور ابرہہ کی تباہی:-

دوسرے دن صبح ہوتے ہی ابرہہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور پوری تیاری کے ساتھ آگے بڑھا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر حملہ کا حکم دیا۔ ہاتھیوں کا غول آگے آگے چل رہا تھا۔ سب سے بڑا ہاتھی ''محمود'' تھا جو ہاتھیوں کی کمان کر رہا تھا حملے کا حکم سنتے ہی بیٹھ گیا ہزار کوشش کے باوجود جنبش نہ کر سکا البتہ دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف رخ کرتے تو تیزی کے ساتھ چل پڑتا۔ پھر اچانک کعبہ کی طرف رخ موڑ دیتے کہ شاید اب چل پڑے لیکن پھر بیٹھ جاتا۔ پورا لشکر حیران و پریشان تھا ہزار جتن کر دیکھے پر کامیابی نہ ہوسکی جیسے زمین نے سب کے قدم پکڑ لیے ہوں۔ لحہ بہ لحہ کسی نادیدہ طاقت کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اِدھر زمین پر یہ تماشا ہو رہا تھا اُدھر آسمان پر نصرت الٰہی کا لشکر حرکت میں آیا اور فضا میں ابابیل (پرندوں) کے غول اپنی اپنی چونچ اور پنجوں میں ایک ایک کنکری لئے ہوئے (جن کی مقدار چنے اور مسور کے دانے کے برابر تھی) نمودار ہوئے اور ابرہہ کے لشکر پر اُن کنکریوں کو برساتے ہوئے غائب ہو گئے۔ یہ کنکریاں فولادی خودوں اور زرہوں کو کاٹتی اور توڑتی ہوئی سواروں اور سواریوں کے بدن کے پار ہو جاتی تھیں۔ جس پر پڑتیں اسے چور کر کے رکھ دیتیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا لشکر ہاتھیوں سمیت اس طرح تباہ و برباد ہوا کہ قرآن کی زبان میں کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو گیا۔ تاریخ عالم کا یہی وہ ہولناک واقعہ ہے جو واقعۂ فیل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ باختلاف روایت ۲۳ یا ۲۸ فروری اے۵ءکو پیش آیا اسی واقعے کے باختلافِ روایت ۵۰ یا ۵۵ دن بعد ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تازیانۂ عبرت:-

حضرت عبدالمطلب اس مصیبت کی گھڑی میں ابرہہ کی یلغار سے بچنے کی خاطر وقت کی بڑی اور سُپر طاقتوں کے دامن میں پناہ لے سکتے تھے۔ حالات بھی کچھ ایسے تھے کہ تھوڑی بہت ردّوقدح اور کچھ شرائط کے ساتھ مدد مل بھی جاتی۔ مگر دور اندیشی اور قیادت کا تقاضا ہے کہ آغاز سے پہلے انجام پر نظر ہو۔ بالخصوص وہ شخص جو کسی قوم کا سردار اور حکمران ہوا سے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہئے کیونکہ اس کا ایک قدم نہ صرف پوری قوم کو منزل سے کوسوں دور کر سکتا ہے بلکہ بسا اوقات دائمی ذلت ورسوائی اور تباہی و بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب جیسے ذہین و بیدار مغز مدّبر و سیاست داں کی عقابی نگاہوں سے اِس کا انجامِ بد پوشیدہ نہ تھا۔ آپ نے سوچا اور دیکھا کہ یہ تھوڑی سی وقتی امداد مستقبل میں میری قوم کے لئے غلامی کی زنجیر ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک بار جھکے تو بار بار جھکنا مقدر بن جائے گا۔ پوری زندگی جی حضوری کرتے گزرے گی۔ یہ توہین آمیز اقدام ایسا دلدل ہوگا

جس سے میری قوم کبھی نہ نکل سکے گی۔ حریت و آزادی کی باوقار زندگی کو چھوڑ کر غیروں کی بیساکھی کے سہارے جینے پر زندہ قومیں موت کو ترجیح دینا زیادہ پسند کرتی ہیں۔

اے طائر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جب ہاتھ پھیلانا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ اُس سب سے بڑے طاقت ور کے سامنے پھیلائیں جو ساری طاقتوں اور قوتوں کا منبع و مخزن ہے۔ جس نے دنیا بھر کے شہ زوروں کو قوت و توانائی عطا فرمائی ہے۔ اور جس کے سامنے جھکنا سر بلندی کی معراج اور جس کے سامنے دست سوال پھیلانا عزت و عظمت کا نشان اور غیرت و حمیّت کی شان ہے۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب جھکے تو ضرور مگر احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جھکے۔ دستِ طلب بھی پھیلایا مگر رب العالمین کے سامنے جہاں سے کبھی کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا۔ جس کا درِ قبولیت کبھی بند نہیں ہوتا اور جس کے یہاں مایوسی سے بڑھ کر کوئی اور جرم نہیں

باز آ باز آ از آنچہ کردی باز آ
گر کافر و ترساؤ گبروبت پرستی باز آ
ایں در گہِ مادر گہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اے محبوب میرے پرستاروں کو بشارت دیدیجئے۔ اُن سے کہہ دیجئے کہ اے میرے غلاموں۔ نافرمانیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے تم اپنی جانوں اور زندگیوں پر گو بہت ظلم و زیادتی کر چکے ہو پھر بھی اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ آؤ اُس مالک بے نیاز کے آستانے پر جھک جاؤ وہ تمہاری تمام غلطیاں اور ساری خطائیں معاف کر دے گا بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

چنانچہ عجز و تذلل کے ساتھ دستِ طلب اٹھانے کی دیر تھی غیرتِ حق کو جلال آیا اور دم زدن میں نصرتِ الٰہی کا ظہور ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مغرور و متکبر اور سرکش دشمن اپنے انجامِ بد کو پہنچ گیا۔ آتش و آہن سے لیس پوری فوج کے پرخچے اُڑ گئے ساری طاقت دھری کی دھری رہ گئی۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
در کریم سے اے راز کیا نہیں ملتا

اے کاش ہمارے خودغرض، بے غیرت، خدابیزار اور بزدل حکمرانوں کو بھی رب العالمین کی دہلیز پر جھکنا اور آڑے وقتوں میں اسی سے فریاد کا سلیقہ آجائے تو ہماری قوم آج بھی ذلت و نکبت سے نجات پا سکتی ہے۔ (اسلام منزل بہ منزل ۵۴ تا ۶۵)

چاہ زم زم کا دوبارہ ظہور اور اس کا پس منظر:۔

زمزم جو ابتداءً ایک چشمہ تھا، بنو جرہم جب مکہ پر قابض ہوئے تو اسے کنویں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس کا پانی کبھی نہیں ٹوٹتا تھا۔ اہل مکہ کے علاوہ دنیا بھر سے حج کے لئے آنے والے اس سے سیراب ہوتے رہے لیکن وقت نے ایک ایسی کروٹ لی کہ متبرک کنواں جو اللہ کے پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگار تھا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا یا کر دیا گیا۔ بنو جرہم کے ایک سردار نے جو انتہائی ظالم تھا اپنے زمانہ سرداری میں اہل مکہ پر اس قدر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ عاجز آ کر تنگ آمد بجنگ آمد کے فطری اصول کے مطابق عرب کے مختلف قبائل متحد ہو کر بنو خزاعہ کی قیادت میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، بنو جرہم تابِ مقاومت نہ لاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے چاہ زمزم کو پاٹ کر برابر کرتے گئے تاکہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ سینکڑوں سال زمزم بند رہا حتیٰ کہ یہ علاقہ ایک مرتبہ پھر ویران ہو گیا۔ اہل مکہ دوسرے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے۔ کئی صدیاں گزر گئیں اب نہ تو اس کنوئیں کا کوئی نشان تھا نہ ہی کوئی ایسا آدمی موجود تھا جو اس کا کچھ اتہ پتہ اور نشان بتاتا۔ البتہ سینہ بہ سینہ خاندانی روایات کا جو ذخیرہ ان کے پاس تھا اس کی بنیاد پر زمزم سے ان کی عقیدت ضرور قائم تھی اور ذہنوں میں جستجو کا ایک جذبہ بھی موجود تھا۔

کم و بیش پانچ سو برس بعد جب مکہ کی حکومت و سرداری حضرت عبدالمطلب کے سپرد ہوئی تو قدرت نے آپ کی مدد کی۔ مشیتِ ایزدی نے چاہا کہ مدتوں کے بے نام و نشان چاہ زمزم کا نشان و پتہ ظاہر کر دیا جائے کیونکہ اُس کے اصل وارث اور محافظ کے ظہور کا زمانہ قریب آ رہا تھا چنانچہ

خواب کے ذریعہ آپ کو اس جگہ کا پتہ اور نشان بتا دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس اطلاع کے مطابق اُس جگہ کی کھدائی شروع کردی۔ کام انتہائی دشوار اور کٹھن تھا پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری یہاں تک کہ آپ کامیاب ہوگئے اور چاہ زمزم مل گیا اس طرح ایک بار پھر دنیا بھر سے آنے والے حاجیوں کی سیرابی کا انتظام کر دیا گیا۔ اس پُر مشقت کام میں سوائے آپ کے لڑکے حارث کے کوئی اور آپ کا معین و مددگار نہ تھا (اس وقت تک آپ کا یہی ایک لڑکا تھا)۔ (اسلام منزل بہ منزل ۴۶ تا ۴۷)

(۸) تعمیر قریش:-

امام زہری کی روایت کے مطابق ایک عورت باخور سے دھونی دے رہی تھی کہ اچانک اس کی ایک چنگاری غلافِ کعبہ کو لگ گئی جس کی وجہ سے غلافِ کعبہ جل گیا اور آگ کی وجہ سے غلافِ کعبہ کی دیواروں میں دراڑیں پیدا ہوگئیں۔ (فتح الباری ۳/۳۴۵) اس کے علاوہ کعبۃ اللہ کے نشیبی علاقے میں ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی اس کے اردگرد جمع ہو جایا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کی دیواریں بوسیدہ ہو رہی تھیں، ان وجوہ کی بناء پر قریش نے بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا کرنے بھی شروع کر دیے ساتھ ہی خدا کے گھر کی عظمت و توقیر بھی ان کے دل میں تھی، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے ماموں ابو وہب مخزومی نے قریش کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی کہ اس تعمیر میں صرف حلال پیسہ لگایا جائے، چوری، ڈکیتی، غصب یا غبن اور کسی ناجائز کمائی کا پیسہ خدا کے اس مقدس گھر میں ہرگز نہ لگایا جائے۔ چنانچہ ابو وہب کی اس ہدایت پر سختی سے عمل کیا گیا اور صرف پاکیزہ حلال کمائی ہی اس تعمیر میں لگائی گئی۔ اس تعمیر میں قریش کے اکثر قبائل نے شرکت کی اور قبیلوں کے اعتبار سے تقسیم کار عمل میں آئی، اس تقسیم سے ہر قبیلے کو تعمیر کا شرف حاصل ہوا مگر حجر اسود کی تنصیب کے وقت حالات بگڑ گئے اور نوبت خون خرابے تک آ گئی، ہر قبیلے کے سردار کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود نصب کرنے کی سعادت اسے حاصل ہو، مگر یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا اس نازک موقع پر ایک بوڑھا قریش ابوامیہ بن مغیرہ آگے بڑھا اور مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ قریش کے لوگوں عقل سے کام لو لڑائی جھگڑے اور خون خرابے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ صرف بربادی ہوگی بربادی۔ میری بات مانو اور اس شخص کا حکم تسلیم کرلو کل جو اس حرم میں سب سے پہلے داخل ہو۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور صبح تک کے لئے معاملہ دب گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ہر قبیلہ پوری تیاری کے ساتھ حرم میں پہنچا اور یہ دیکھ کر کہ سب سے پہلے بابِ بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہونے والے محمد ابن عبداللہ ہیں تو لوگوں کی خوشی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کے سب بیک زبان پکار اٹھے۔ هٰذَا مُحَمَّدٌ هٰذَا الْاَمِيْنُ قَدْرَ ضِيْنَا بِهٖ (۱)۔ ارے یہ تو محمد ابن عبداللہ الامین ہیں ان کے فیصلے پر تو ہم سبھی راضی ہیں۔ دیکھ رہے ہیں کس قدر اعتماد ہے اس پیکر عدل و انصاف کی ذات پر کہ وقت سے پہلے ہی فیصلے کی صداقت پر ہر فریق خوشی خوشی سر تسلیم کر دیتا ہے۔

اور پھر حضور ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ معاملہ کتنا سنگین رخ اختیار کر چکا ہے۔ ہر قبیلہ مرنے مارنے پر آمادہ ہے پتھر ایک ہے اور اس کو نصب کرنے کا اعزاز ہر قبیلہ اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ مکہ بھر کے اربابِ عقل و دانش اِس الجھی ہوئی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے اور اس کو حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اب نگاہیں آپ پر ہیں۔ لوگوں کو یقین ہے کہ آپ اس معاملے کو خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھا سکتے ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر طلب فرمائی اُس کو زمین پر بچھا دیا اور خود حجر اسود کو اٹھا کر چادر کے بیچ و بیچ رکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ اب ہر قبیلہ کا سردار آگے بڑھے اور سب مل کر چادر کو اٹھائیں اور وہاں تک لے چلیں جہاں اِس پتھر کو نصب کرنا ہے۔ لوگوں نے خوشی خوشی اس عمل کو انجام دیا اور مقامِ مقررہ تک پہنچ کر چادر کو زمین پر رکھ دیا۔ اب حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر حجر اسود کو اٹھایا اور دیوارِ کعبہ میں مقررہ مقام پر نصب فرما دیا۔

اس طرح وہ اعزاز جسے ہر قبیلہ صرف اپنے لئے باعثِ افتخار بنانے پر مصر اور بضد تھا وہ اعزاز ہر قبیلہ و خاندان پر برابر تقسیم ہو گیا اور سب نہال ہو گئے اور ساتھ ہی جنگ کا مہیب دیو اپنی موت آپ مر گیا۔ غصہ و نفرت کی جگہ محبت و انسیت اور انتشار و افتراق کی جگہ اتحاد و اتفاق کی خوش گوار فضا نے پورے ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا مکہ کے در و دیوار جھوم اٹھے ہر طرف خوشی و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ (اسلام منزل بہ منزل ۱۵۲ تا

۱۵۴)

تعمیر قریش و بنائے ابراہیمی میں فرق:-

قریش کی یہ تعمیر سابقہ تعمیروں سے چند چیزوں میں مختلف تھی۔

(۱) تعمیر ابراہیمی میں بیت اللہ کا دروازہ زمین کے برابر تھا، لیکن قریش نے اس کو قدِ آدم کے برابر اونچا کر دیا، تاکہ ہر کس و ناکس اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (۲) قریش نے خانۂ کعبہ کی چھت مضبوط اور عمدہ لکڑی سے بنائی، اس سے پہلے چھت صرف کھجور کے تنوں کی تھی۔ (۳) تعمیر ابراہیمی میں حطیم الگ سے نہیں تھا بلکہ پورا بیت اللہ مستقل عمارت کی شکل میں تھا، لیکن قریش نے مالی قلت کی وجہ سے حطیم کو الگ کر دیا اور تقریباً مربع شکل میں بیت اللہ کی تعمیر کی۔ (۴) تعمیر قریش میں ایک پرنالے کا بھی اضافہ کیا گیا، جس سے چھت کا پانی حطیم میں گرے اور اس پرنالے کو عرفِ عام میں ''میزابِ رحمت'' کہتے ہیں۔ (۵) تعمیر کعبہ میں قریش نے باقاعدہ تراشیدہ پتھروں کا استعمال کیا، اس سے قبل کی تعمیروں میں یہ اہتمام نہیں تھا۔ (۶) قریش نے چھت کے سہارے کے لیے بیت اللہ کے اندرونی حصے میں تین تین ستونوں کی دو قطاریں بنائیں، یعنی کل چھ ستون اندرونی حصے میں قائم کیے۔ (۷) قریش نے خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لیے اندرونی حصے میں رکن عراقی کی جانب ایک زینہ بھی بنایا۔ (ساقی کوثر ۴۲، ۴۳)

(۹) **تعمیر عبداللہ بن زبیر:-** قریش کی تعمیر کو ابھی ایک صدی کا بھی عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے مختلف تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا بھی تھی کہ بیت اللہ کو بنائے ابراہیمی کے مطابق بنایا جائے، مگر حالات کی نزاکت کی وجہ سے آپ اپنی حیاتِ طیبہ میں اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری قوم کا زمانۂ جاہلیت قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا اور جن چیزوں کو قریش نے بیت اللہ سے الگ کر دیا ہے میں اسے دوبارہ اس میں شامل کر دیتا اور بیت اللہ کے دروازے کو زمین کے برابر کر دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا۔ (بخاری ۱/۲۱۵) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان فرمودات سے حضرت عبداللہ بن زبیر بیحد متاثر تھے، اس لیے انہوں نے تعمیر قریش کو ہٹا کر بنائے ابراہیمی اور حضور کی تمنا کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا، لیکن تعمیر کا آغاز ایک اہم مسئلہ تھا، اسی دوران بیعت و خلافت کے مسئلے پر یزیدی لشکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فوج کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس میں شامی فوجوں نے منجنیقوں کے ذریعے بیت اللہ پر سنگ باری کی اور اس پر آگ بھی برسائی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی چھت اور پردے جل گئے۔ بالآخر اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کو فتح حاصل ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا، چنانچہ ۱۵/جمادی الثانی ۶۴ھ ہفتے کے دن بیت اللہ شریف کی دیواریں گرانے کا کام شروع ہوا، اس دوران ''بیت اللہ'' کے چاروں کونوں پر لکڑیاں نصب کر کے اوپر پردہ لگا دیا گیا، تاکہ طواف و نماز میں خلل نہ ہو، جب تعمیر کا کام بحسن و خوبی مکمل ہو گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے میں تنعیم سے عمرہ ادا کروں گا، لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ عمرہ ادا کرنا چاہیں وہ ''تنعیم'' پہنچ جائیں، چنانچہ سب لوگوں نے عمرے کا احرام باندھ کر ''بیت اللہ شریف'' کا طواف کیا اور عمرہ ادا کیا۔ (تاریخ کعبہ ۱۲۷)

(۱۰) **تعمیر حجاج بن یوسف:-** حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کو تقریباً دس سال ہو چکے تھے، آپ کی شہادت کے بعد حکومت کی باگ ڈور حجاج بن یوسف کے ہاتھ آئی، اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو قریش کی تعمیر سے جداگانہ انداز میں تعمیر کیا ہے، خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کو قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا جائے، چنانچہ حجاج بن یوسف نے حطیم کی جانب کی دیوار گرا کر حطیم کو الگ کر دیا اور اس جانب ایک پرنالہ لگا دیا، مشرقی دروازہ قدِ آدم کے برابر اونچا کر دیا اور مغربی دروازہ بند کر دیا۔ (ایضا: ۱۲۹) اسی دوران خلیفہ عبدالملک کے لڑکے ولید نے خالد بن عبداللہ القمری کو چھتیس ہزار دینار دیے اور حکم دیا کہ ان کی پلیٹیں بنا کر بیت اللہ شریف کے دروازے اور میزابِ رحمت کے اوپر چڑھا دیں، نیز بیت اللہ کے اندر جو لکڑی کے ستون ہیں ان پر بھی سونے کا کام کیا جائے، پہلی مرتبہ ولید بن عبدالملک نے بیت اللہ شریف کے دروازے پر سونے کا کام کروایا، اس طرح ''بیت اللہ شریف'' دوبارہ تعمیر قریش کے مطابق ہو گیا۔

خلیفہ ہارون رشید کا ارادۂ تعمیر اور امام مالک سے استفسار:-

خلیفہ ہارون رشید جب مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے مطابق بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تا کہ یہ تعمیر پھر سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق ہو جائے لیکن آپ نے عملی اقدام سے پہلے حضرت امام مالک سے اس سلسلے میں سوال کیا، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ بیت اللہ کی بار بار تعمیر سے اس عظیم گھر کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور یہ بادشاہوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ جائے گا، کیونکہ ''ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت'' کے مصداق ہر آنے والا نیا بادشاہ اپنی شہرت و نمود کی خاطر پہلی عمارت کو گرا کر نئی عمارت بنانے کا رواج ڈالے گا، اس لیے آپ بیت اللہ شریف کی نئی تعمیر کا ارادہ نہ کریں، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے تعمیر نو کا ارادہ ترک کر دیا (تاریخ حرمین شریفین ۱/۱۲۴)

(۱۱) تعمیر سلطان مراد خاں:- حجاج بن یوسف کی تعمیر کے تقریباً ایک ہزار سال بعد مکہ مکرمہ میں شدید بارش اور اولہ باری ہوئی جس کی وجہ سے بیت اللہ کے اطراف سیلاب جیسی صورتحال ہوگئی، پانی کے جمع ہونے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی دیواریں ٹوٹ کر گرنے لگیں اور حرم مکی میں سمندر جیسا سماں ہو گیا جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے دروازے سے پانی اندر داخل ہو گیا اور بیت اللہ شریف کی عمارت کو ناگفتہ بہ نقصان ہوا، اس سنگین صورتحال کو دیکھ کر سلطان مراد خاں کے حکم سے ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۰۴۰ھ کو بیت اللہ کے تعمیری کام کا آغاز ہوا اور تقریباً ساڑھے چھ مہینے کی میعاد میں یعنی ۲ر ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ کو بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہوئی، واضح رہے کہ سلطان مراد خاں نے یہ تعمیر حجاج بن یوسف کی تعمیر کے عین مطابق کروائی۔ (تاریخ کعبہ: ۱۳۰)

تعمیر شاہ فہد بن عبدالعزیز: سلطان مراد خاں کی تعمیر کے پونے چار سو سال کے بعد شاہ فہد بن عبدالعزیز نے بیت اللہ شریف کی تجدید کا فرمان جاری کیا، کیونکہ اس طویل مدت کے گزرنے کی وجہ سے عمارت کا تقاضا تھا کہ اس کی تجدید کی جائے، چنانچہ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ میں تجدید کعبہ کا کام شروع ہوا، اس تجدید کاری میں بیت اللہ شریف کی اوپری بنیادوں کو مضبوط کیا گیا، بیت اللہ شریف کی دیواروں سے متصل زمینی حصے کی بھی مرمت کی گئی اور پتھروں کے درمیان سے پرانا مسالہ نکال کر نیا سمینٹ بھرا گیا، نیز دونوں چھتوں کو از سر نو تعمیر کیا گیا اور اندرونی ستونوں کو نئی لکڑی سے بنایا گیا اور تقریباً چھ مہینوں میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ (ساقی کوثر: ۴۹)

مذکورہ بالا تعمیرات کے علاوہ حرم محترم کو نئی نئی عصری سہولیات سے آراستہ کرنے اور دیگر رنگ و روغن کے کام مستقل جاری ہی رہتے ہیں۔ حجاجِ کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس کی توسیع کا مسئلہ اس وقت بھی جاری ہے اور نہ معلوم آئندہ بھی مزید کتنے توسیعی و تزئینی کام ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس مکان کو خوب سے خوب ترقی دے اور عالم انسانی کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

سید شاہد علی حسنی نوری
قاضی شرع و مفتی اعظم ضلع رامپور

مسلک اہلسنت ہی مسلک اعلیٰ حضرت ہے

بحر العلوم علامہ عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ: اس وقت خصوصاً ہمارے ہندوستان میں ایک نہیں متعدد فرقے اپنے کو سنی کہتے ہیں ان سب سے امتیاز کیلئے اور اپنی شناخت کیلئے صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کا اپنے مذہب کو مسلک اعلیٰ حضرت کہنا نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ لازم و ضروری ہے۔ اور اس پر اعتراض جہالت ہی نہیں **هجر الی الضلالة** ہے۔

مثلاً ایک شخص اگر یہ کہے کہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کو نہیں مانتا تو یہ اس کی نظیر ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں اسلام کو نہیں مانتا تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ ظاہر ہے۔ اور قریب سے بات کیجئے اگر کوئی یہ کہئے کہ میں مذہب اہلسنت کو نہیں مانتا تو اس کا حکم کیا ہوگا۔ یہ بھی ظاہر ہے کیوں کہ مذہب اہل سنت سے انکار بلاشبہ مذہب حقہ مذہب اسلام سے انکار ہے۔ اس زمانے میں مسلک اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت مترادف لفظ ہے۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت سے قصداً انکار مسلک اہل سنت سے انکار ہے۔ اور مسلک اہل سنت سے انکار مذہب اسلام سے انکار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احقر عبد المنان اعظمی گھوسی۔

فقہی اختلافات اور جدید نظریات

طارق انور مصباحی (کیرلا)

علمی تحقیق یا اجتہاد میں خطاً واقع ہونا کچھ بعید نہیں-حدیث میں دونوں صورتوں کا ذکر آیا-انسان یوں بھی خطاونسیان کا مرکب مجموعہ ہے-الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔

حدیث نبوی: ﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ-اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَا جْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ-وَاِذَا حَکَمَ فَا جْتَهَدَ وَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ﴾ (مشکوۃ المصابیح ص۳۲۴-صحیح البخاری ج۲ص۱۰۹۲-صحیح لمسلم ج۲ص۷۶)

〈ت〉جب حاکم فیصلہ کرے اور وہ (حکم شرع کے بارے میں) اجتہاد کرے اور درستگی کو پہونچ جائے تو اس کیلئے دواجر ہے-اور جب فیصلہ کرے اوراجتہاد کرے، پس خطاء کر جائے تواس کیلئے ایک اجر ہے۔

بلا ثبوت وقرینہ بدگمانی ناجائز: کسی مفتی یافقیہ کے قول کو بلاثبوت یاقرینہ حالیہ یاقرینہ مقالیہ کے بغیر ہوائے نفس پر محمول کرنادرست نہیں-قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ-وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا-اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ-وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ﴾(سورۃ الحجرات-۱۲)

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ-اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ-وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تُحَاسِدُوْا وَلَا تُبَاغِضُوْا وَلَا تُدَابِرُوْا-وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا﴾ (صحیح البخاری ج۲ص۸۹۶-صحیح لمسلم ج۲ص۳۱۶)

〈ت〉حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت تاجدارکائنات ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تم لوگ بدگمانی سے بچو-اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے-اورکسی کی بات کی طرف کان نہ لگاؤ اور(کسی کی)ٹوہ میں نہ رہواور(ایک دوسرے سے)حسدنہ کرواور(آپس میں) بغض نہ رکھواور(ایک دوسرے سے)ترک تعلقات نہ کرواور ہوجاؤ اللہ کے بندے، بھائی بھائی۔

اختلاف امتی رحمۃ: فقہی اختلافات کوشریعت اسلامیہ نے غیرمشروع قرارنہ دیا- بلکہ حضرت سرورکائنات ﷺ نے ارشادفرمایا- ''اختلاف امتی رحمۃ''-اورعلماء امت بطیّب خاطر چارفقہی مسلک پرمجتمع ہوئے-اور ہرایک کوحق تسلیم کرتے ہیں-گرچہ ہرایک مومن کوایک ہی مسلک پرعمل کرناواجب ہے-لیکن چاروں مسالک کوحق ماناضروری ہے-کسی مقلد کو دوسرے فقہی مسلک پرطعن وتشنیع کاحق بھی نہیں-چندسالوں سے ہندوستان کے فقہاء احناف میں بعض مسائل پرعلمی اختلاف ہوا-مگرافسوس صدافسوس کہ علمی اختلافات کوہم نے اپنی نافہمیوں کے سبب رحمت کی بجائے ازخودزحمت بناڈالا-اس میں سراسرقصورہماراہے-اوراب جوجدیدنظریات فقہیات سے متعلق دیکھنے سننے میں آرہے ہیں-وہ قوانین اسلام سے مطابقت نہیں رکھتے-اولاً توفقہ اسلامی تمام موجودہ علوم وفنون میں سب سے مشکل ترین علم وفن ہے-اسی لئے صحابہ کرام میں فقہاء مجتہدین کی تعدادمحض بیس بتائی جاتی ہے-ثانیاً میراتعلق بھی فقہیات سے زیادہ نہیں-اورسچ تویہی ہے کہ اس موضوع پرمجھ جیسوں کوخموشی ہی اختیارکرنی چاہئے-لیکن موجودہ حالات کے تناظرمیں محض امت مسلمہ کی خیرخواہی کیلئے دوحرف لکھتاہوں-اس امیدکے ساتھ کہ رب تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائے-اورجومیں رقم کررہاہوں-اگرصحیح وحق ہے تورب تعالیٰ اسے قبول فرماکرہمیں ورطہ ہلاکت سے نجات عطافرمائے-آمین

اجتہاد مجتہد وتحقیق مقلد: کسی قائل کاکوئی قول ،شرع کاایک قول نہیں ہوسکتا جب تک کہ دلیل صحیح پیش نہ کی جائے-ورنہ تمام بدمذہب فرقوں کے اقوال ، اقوال شرع واسلام قرارپائیں گے- مجتہدکی اجتہادی خطاً پرعمل کاحکم- بلکہ اس تفریق کی نہ ہی اجازت اورنہ ہی حاجت کہ کون ساقول صواب اورکون ساقول خطاً اجتہادی سے صادر ہوا-لیکن غیرمجتہدکے قول پرظہورخطاً کے بعدعمل کرنایااس کے بالمقابل

قول صحیح ہوتے ہوئے -اسی قول کو اختیار کرنا جائز نہیں- انشاء اللہ مابعد میں ترجیح کی بحث مرقوم ہے-اس میں امام اہل سنت کا فتویٰ مرقوم ہے کہ ظہور خطاکے بعد مفتی مقلد کو اپنے قول سے رجوع کرنا ہے-عہد حاضر میں عدم رجوع عن الخطاء اختلافات کی جڑ ہے-اگر کسی محقق کو اپنی تحقیق پر اعتماد ہے،تو اسے چاہئے کہ قول مخالف کا بطلان پیش کرے- اور اپنی تحقیق پر وارد ہونے والے ایرادات کا رد کرے-لیکن نہ رجوع کیا جائے-نہ ہی اس تحقیق پر وارد ہونے والے سوالات کا جواب دیا جائے- بلکہ اپنا جتھا لے کر الگ ہو جائیں-تو یہ نا قابل قبول امر ہے-ذیل میں اسباب اختلاف کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے-اور متعلقہ محققین باحیات ہیں-اس لئے یہ تحریر ان حضرات کی خدمت میں ایک عرضی کی شکل ہے-وہ غور فرمائیں- تا کہ اتحاد امت کی راہ ہموار ہو سکے-اور یہ بھی یاد رہے-"اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی"-(صحیح البخاری جلد اول کتاب الجنائز-سنن الدار قطنی ج۴ص۳۷۱-السنن الکبریٰ للبیہقی ج۶ص۲۰۵-شرح معانی الآثار ج۳ص۲۵۷)-ہم اپنی نجات کیلئے اسلام کے محتاج ہیں-برعکس نہیں۔

ٹی وی کی تحقیقات: اختلافی فرعی مسائل میں ٹیلی ویژن کا مسئلہ سرفہرست ہے-اس مسئلہ میں پچیس سال قبل ٹی وی کے جواز وعدم جواز سے متعلق دو قسم کی قلمی تحقیقات منظر عام پر آئیں-عدم جواز کے دلائل قوی اور راجح قرار پائے-اس لئے اکابر علماء کی غالب اکثریت یعنی ۱۰۰/ میں قریباً ۹۵ فیصد علماء کرام عدم جواز کے قائل ہوئے-عدم جواز سے متعلق امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی (۱۹۳۴ء-۲۰۱۳ء) کی کتاب "ٹی وی کی تحقیق" لاجواب قرار پائی -آج تک کسی میں جواب کی جرأت نہ ہو سکی۔

بعض محققین مشروط جواز کے قائل تھے-فتویٰ جواز پر قوی اعتراضات قائم ہوئے-اور حکم عدم جواز، مستحکم دلائل سے مزین ہوا-قائلین جواز کو ان سوالات کا جواب دینا اور دلائل عدم جواز کا صحیح رد کرنا ہے -بصورت دیگر اپنے قول سے رجوع کرنا ہے-سوالات کے جواب بھی نہ دیں-اور اپنے قول سے رجوع بھی نہ کریں-تو یہ عندالشرع نا قابل قبول صورت ہے۔

اقول: یہ "خطاء بزرگاں گرفتن خطاء است" کے قبیل سے نہیں- بلکہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے-اور چھوٹے کو بھی حق ہے کہ عندالضرورت بڑوں کو مشورہ دے-رب تعالیٰ نے ملائکہ سے مشورہ طلب فرمایا-"**وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً**"۔

کیوٹی وی: بعض فقہاء ہند نے کیوٹی وی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ جو لوگ ٹی وی دیکھتے ہیں - وہ اگر ٹی وی پر ناجائز پروگرام کی بجائے اسلامی پروگرام دیکھیں تو یہ مناسب وجائز ہے-انہوں نے فقہ کے قاعدہ کلیہ ﴿**مَنْ اُبْتُلِیَ بَبَلِیَّتَیْنِ وھما متساویتان یاخذ بایتھما شاء وان اختلفتا یختار اھونھما-لان مباشرۃ الحرام لاتجوز الا للضرورۃ ولاضرورۃ فی حق الزیادۃ**﴾ (الاشباہ والنظائر ج۱ص۸۹-القاعدۃ الرابعۃ) کو دلیل کے طور پر پیش کیا-اس فتویٰ کے بارے میں عرض ہے کہ ابتلاء بالبلاء اختیاری ہو تب بھی یہ قاعدہ جاری ہوگا یا ابتلاء بالبلاء اضطراری ہو، تب ہی جاری ہوگا؟

ٹی وی میں ابتلاء اختیاری ہے،اضطراری نہیں- ناجائز کا جواز بلاضرورت یا بلا حاجت درست نہیں- پھر یہ قاعدہ اختیاری امور میں کیسے جاری ہو سکتا ہے؟فقہاء جواب دیں- یا رجوع فرمائیں تا کہ دین حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے-نیز یہ کہ غیر مبتلا کیلئے حکم جواز ہوگا یا نہیں؟ -کوئی سوال کر بیٹھا-شراب پیتا ہوں-کیا اسے چھوڑ کر تاڑی پی لوں؟-قانون مذکور جاری ہوگا یا نہیں؟

امام اہل سنت نے فرمایا-"**من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما**"- دو بلاؤں کا مبتلا ان میں ہلکی کو اختیار کرے-اقول یہ کریمہ ﴿**اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ**﴾ سے ماخوذ ہے-یہ قاعدہ دونوں کا اطلاق نہیں کرتا بلکہ موازنہ چاہتا ہے(فتاویٰ رضویہ ج۹ جز ۲ ص۱۹۸) جب اس قاعدہ کا ماخذ مذکورہ آیت ہے-تو اختیاری امور اس قاعدہ کے تحت کیونکر درج ہوں گے؟ دونوں بلا میں موازنہ اور اہون کو اختیار کرنا لازم- جب ان دونوں امور میں اختیار نہیں - تو اختیاری امور میں اس قاعدہ کا جاری ہونا کیسے صحیح ہوگا؟عرض ہے،اعتراض نہیں۔

فتویٰ مبحوث عنہا سے متعلق فیصلہ کن بات یہ ہے کہ بعض ناجائز امور ایسے ہیں جو کسی بھی وقت جائز نہیں ہوتے-اور بعض

ناجائزامورایسے ہیں جوضرورت صحیحہ وحاجت صادقہ کے وقت جائزہوجاتے ہیں- فوٹو اورتصویربھی ان امورمیں سے ہیں جوضرورت وحاجت کےوقت جائزہوجاتے ہیں-جیسا کہ پاسپورٹ سے متعلق فتوئٰی میں امام اہل سنت نے فتاوئی رضویہ((ج ۹ جز۲ص ۱۹۷، ۱۹۸))میں صراحت فرمائی ہے- کیوٹی وی سے متعلق جواز کافتوئی دینے سے قبل محقق ومفتی ضرورت شرعیہ یاحاجت فقہیہ کااثبات فرمائے- جس قانون فقہی کوحکم جواز کامبنٰی بنایاگیا ہے- وہ بھی ضرورت و حاجت سے مقید ہے جیسا کہ فقہاء سے مخفی نہیں۔

اقــــول: مذکورہ بالادوتحقیق محض بطورتمثیل مذکورہوئی-اس طرح مسائل شرعیہ میں تحقیقاتی اختلاف اورہرایک محقق کااپنے قول پرقرارپکڑناالجھاؤ اورٹکراؤ کاسبب بن گیا-اس کے بعدشکررنجیوں کاماحول بنا- پھرشیطان نے تفریق بین المسلمین میں خوب دلچسپی لیا-اورماوشاابلیس کی شاطرانہ چالوں کا توڑنہ کرسکے-ہماری فکر انتہائی ناگفتہ بہ منزل تک جا پہونچی-زندوں کے اختلاف نے ساکنان برزخ پربھی طعنہ زنی سے گریزنہ کیا-حتّٰی کہ امام احمدرضاقادری کے بعض معتقدات زیربحث آگئے-حالانکہ امام موصوف عالم متقن تھے-ماضی قریب کی کئی صدیاں ان کی مثال سے خالی ہیں-چنداکابرین سے شرف ہمکلامی کے بعدمجھے معلوم ہواکہ وہ حضرات-اسماعیل دہلوی کے مسئلہ تکفیرسے متعلق الجھن میں مبتلاہیں-ان میں سے بعض اب ہم میں نہیں-اگریہ حقیقی الجھن ہے-توخاکساران اکابرین میں سے باحیات حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کرتاہے کہ وہ سوالات مجھ تک پہونچائے جائیں-انشاء اللہ میں جواب دوں گا-نیزتکفیردہلوی وتکفیرعناصرِاربعہ آف دیابنہ سے متعلق سوالوں کے جوابات وقاہرردہماری کتاب''البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ''میں موجود ہے-بہترہے اولاً اس کتاب کامطالعہ کرلیا جائے-ممکن ہے کہ ان سوالوں کے جوابات مرقوم ہوں-بہرحال میں دوبارہ باادب عرض کرتاہوں کہ ایرادات سے مجھے مطلع فرمائیں-خواہ کبیرالجھن میں ہویاصغیر-انشاءاللہ میں جواب کاانتظام کروں گا-میری یہ تحریراتمام حجت کے طورپرہے-میں نے اپنے مطبوعہ رسالہ''السوادالاعظم من عہدالرسالۃ الیٰ قرب القیامۃ''میں بھی یہ اعلان کیاہے۔

کوئی کرمفرمابدگمانی میں مبتلانہ ہوکہ یہ اعلان''چھوٹامنہ بڑی بات''کامصداق ہے-درحقیقت مسئلہ کی نزاکت کالحاظ کرتے ہوئے میں نے یہ اعلان کیاہے-تاکہ ابتلائے عام وشیوع فتنہ کی شکل رونمانہ ہوسکے-نیزعرض ہے کہ بلاضرورت ایرادات گڑھ کرمیری آزمائش نہ کی جائے-میں اپنی حقیقت سے خودہی واقف ہوں-ہاں،جب اشکال حقیقی ہو-اورمذہب اسلام کی نگہبانی وہدایت اقوام عالم تاقیامت حضرت حبیب محترم ﷺ کے سپرد- گرچہ آپ ﷺ بظاہرہم میں نہیں-اورمیں نے جواب کی ذمہ داری اٹھائی-پس حضرت حبیب محتشم ﷺ یاتومجھے جواب کاالقاء فرمائیں گے-یاایسے کی جانب میری رہنمائی فرمائیں گے جوجواب کااہل ہو-اورصورت ثالثہ کہ یہ بھی نہیں،وہ بھی نہیں-گرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن شان رحمۃ للعٰلمین سے بہت بعیدہے-اورہم نے وجدان جواب کی امیدلگائی ہے-پس عدم وجدان کیونکرہوگا؟جب کہ آپ ﷺ ارشاد فرماچکے ہیں کہ رب تعالیٰ ارشادفرماتاہے-''اناعندعبدظنی بی''-اورمیں دربارالوہیت ورسالت سے خیرات وحسنات کا امیدوار-اورحدیث مرقوم میری تمنائے نیک پرآمین گو۔

اقــــول: بندہ رب تعالیٰ کےحق میں جیسااعتقادرکھتاہے-ویساہی وہ پاتاہے-اگرکسی کارخیرپرامیدثواب رکھتا ہے-ثواب پائے گا-اوراگربدگمانی رکھتاہے-تومحروم رہتا ہے - لہٰذاہمیشہ نیک اعتقادرکھناچاہئے۔

﴿۱﴾﴿عـن ابـی هـریـرة رضـی اللّٰـه عنـه قـالَ قـالَ الـنَّبِـیُّ ﷺ-یَقُوْلُ اللّٰـهُ تَعَـالٰی-اَنَـا عِـنْـدَ ظَنِّ عَبْـدِیْ بِیْ-الـحدیث﴾ (صحیح البخاری ج۲باب قول اللہ تعالیٰ-ویحذرکم اللہ نفسہ-صحیح مسلم ج۲باب الحث علی ذکراللہ تعالیٰ-جامع الترمذی ج۲باب حسن الظن باللہ تعالیٰ-سنن النسائی الکبریٰ باب تعلم مافی نفسی-سنن ابن ماجۃ کتاب الادب)

﴿ت﴾حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا-رب تعالیٰ فرماتاہے-میرامعاملہ میرے بندہ کےاعتقادکےمطابق ہے(بندہ رب تعالیٰ سےجیساگمان رکھتاہے-رب تعالیٰ ویساہی معاملہ فرماتاہے)

﴿۲﴾﴿عـن واثـلة اَبْشِـرْفَـاِنِّـیْ سَـمِـعْـتُ رَسُوْلَ اللّٰـهِ

صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ –قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ –اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ –فَلْیظن بِیْ مَاشَاءَ ﴾ (مسندامام احمد بن حنبل ج۳ص۴۹۱-المعجم الکبیر للطبرانی ج۱۵ص۴۶۳-المستدرک ج۴ص۲۶۸-صحیح ابن حبان ج۲ص۴۰۱)

〈ت〉 حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا-رب تعالیٰ فرماتا ہے-میرامعاملہ میرے بندہ کے ظن کے مطابق ہے-پس بندہ میرے بارے میں جیسا چاہے،اعتقادرکھے۔

〈۳〉﴿عن ابی هريرة عن رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ –اِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَلا يَقُوْلُ –اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ – اِنْ ظَنَّ خَيْرًا فَلَهٗ وَاِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهٗ ﴾ (صحیح ابن حبان ج۲ص۴۰۵)

〈ت〉 حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا-رب تعالیٰ فرماتا ہے-میرامعاملہ میرے بندہ کے اعتقاد کے مطابق ہے-اگرخیرکااعتقادرکھے-تواس کیلئے خیرہے-اوراگرشرکااعتقادرکھے،تواس کیلئے شرہے۔

قول مرجوح پر عمل ناجائز: حالیہ افراتفری کے عالم میں یہ جدیدنظریہ زور پکڑتا جارہاہے کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء کے دوقول ہیں-ان دوقول میں سے کسی پربھی عمل ہوسکتا ہے-حالانکہ فقہ حنفی میں قول مرجوح پرنہ فتویٰ کی اجازت ہے-نہ ہی بلاضرورت عمل کی اجازت-اوردومتخالف قول میں سے ایک راجح ہوگااوردوسرامرجوح۔

توضیح مقصد: اس مضمون کاجومقصدتھا،وہ چندلفظوں میں بیان ہوچکا-ان مفاہیم کے دلائل مرقومہ ذیل ہیں۔

مجتہدین کی قلت: ائمہ اربعہ کے بعدبعض افرادمثلاً محمد بن جریرطبری شافعی (۲۲۴ھ–۳۱۰ھ) اوربقول بعض داؤدظاہری اصبہانی (۲۰۲ھ–۲۷۰ھ) کیلئے اجتہادمطلق کی بات کبھی بعض کتابوں میں نظرآتی ہے لیکن یہ دعویٰ حقائق کی روشنی میں صحیح ثابت نہ ہوسکا-ائمہ اربعہ کے عہد میں یاان سے قبل جومجتہدین تھے،ان کے مذاہب مدون نہ ہوسکے اورنہ ہی ان کے ایسے اصحاب اورمقلد ہوئے جوان کی فقہیات کوترتیب دے کر ادوارمابعدتک پہونچاسکے-لہٰذاان چارفقہی مذاہب کے علاوہ سب کے سب پردۂ عدم میں چلے گئے-اب صرف چارمذہب باقی رہ گئے-یوں بھی مجتہدین مطلق کی تعدادبہت زیادہ نہ تھی۔

(۱) شاولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ–۱۱۷۶ھ) نے مجتہدین کے بعض شرائط بیان کرنے کے بعدلکھا﴿والنفس الانسانية وان كانت زكية،لها حد معلوم تعجزعما وراء ه وانما كان هذا ميسرًا للطراز الاول من المجتهدين حين كان العهد قريبًا والعلوم غير متشعبة علٰى انه لم يَتَيَسَّرْ اَيْضًا الا لنفوس قليلة–و هم مع ذلك كانوا مقيدين بمشائخهم معتمدين عليهم ولكن لكثرة تصرفاتهم فى العلم صاروا مستقلين﴾ (الانصاف ص۲۰-استنبول ترکی)

〈ت〉 نفس انسانی اگرچہ صاف ستھرا(قابل علم وحکمت)ہے(لیکن)اس کیلئے ایک متعین حدہے کہ اس کے ماسواسے وہ عاجزہوجاتا ہے اوریہ (اجتہادمطلق کے لائق علم)ابتدائی عہدکے مجتہدین کوحاصل تھاجب کہ زمانہ(حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے)قریب تھااورعلوم شاخ درشاخ نہ ہوئے تھے-اس کے باوجود(اجتہادمطلق)صرف چندافرادکو حاصل ہوااوراجتہادمطلق کے باوجودیہ حضرات اپنے مشائخ کے طریقے پر چلنے والےاوران پراعتمادکرنے والے تھے(جیسا کہ امام اعظم اپنے استاذ حمادبن ابی سلیمان کے طریقے پر تھے)لیکن علم فقہ میں ان حضرات کی کثرت تصرفات کی وجہ سے یہ سب مجتہدمستقل ہوگئے۔

〈۲〉 امام ابن ہمام نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں لکھا﴿والمائة الالف الذين توفى عنهم رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثرمن عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابى هريرة رضى الله عنهم وقليل والباقون يرجعون اليهم ويستفتون منهم﴾ (فتح القدیرباب طلاق السنۃ ج۷ص۴۶۰)

〈ت〉 ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں چھوڑ کرحضرت سیددوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال پائے،ان میں مجتہدین فقہاء کی تعدادبیس سے زیادہ نہیں پہونچتی-جیسے کہ خلفاء اربعہ،عبادلہ،زیدبن ثابت،معاذبن جبل،انس بن مالک،ابوہریرہ اورچند دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم-اورباقی صحابہ کرام ان کی طرف رجوع کرتے اوران حضرات سے فتویٰ دریافت کرتے۔

مجتہدین صحابہ: 〈۱〉 حضرت ابوبکرصدیق 〈۲〉 عمر فاروق 〈۳〉 عثمان غنی 〈۴〉 علی بن ابی طالب 〈۵〉 ام المومنین عائشہ صدیقہ

〈۶〉ابی بن کعب〈۷〉امیر معاویہ〈۸〉 خالد بن ولید〈۹〉ابوموسیٰ اشعری〈۱۰〉طلحہ〈۱۱〉زید بن ثابت〈۱۲〉معاذ بن جبل〈۱۳〉انس بن مالک〈۱۴〉ابوہریرہ〈۱۵〉عبداللہ بن مسعود〈۱۶〉عبداللہ بن عمر〈۱۷〉عبداللہ بن عباس〈۱۸〉 عبداللہ بن عمرو بن عاص〈۱۹〉عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اقول: سال ۱۰ھ میں حجۃ الوداع ہوا- اور حجۃ الوداع کے تین ماہ بعد ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت سید دو جہاں ﷺ نے دنیاوی زندگی کی تکمیل فرمالیا- اس وقت صحابہ کرام کی تعداد قریباً ایک لاکھ چودہ ہزار تھی- امام ابن ہمام نے اہل عرب کے عرف کے مطابق صحابہ کرام کی اصل تعداد کا ذکر کیا اور کسر کا تذکرہ نہ فرمایا۔

علامہ عبدالقادر بن ابوالوفاء قرشی حنفی مصری (۶۹۶ھ-۷۷۵ھ) نے لکھا﴿**ذکر ابن الصلاح عن ابی زرعة انه سئل عن عدة من روی عنه ﷺ قال-ومن یضبط هذ ا؟شهد معه ﷺ فی حجة الوداع اربعون الفًا وفی تبوک سبعون الفًا-ونقل عنه ایضًا-قبض ﷺ عن مأة واربعة عشر الفًا من الصحابة ممن روی-وفی روایة ممن راٰه وسمع منه ﷺ**﴾(الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ج ۲ ص ۴۵۳- میر محمد کتب خانہ کراچی)

〈ت〉حافظ ابن صلاح (۵۷۷ھ-۶۴۳ھ) نے امام ابوزرعہ رازی (۲۰۰ھ-۲۶۴ھ) سے روایت کیا کہ ان سے حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد دریافت کی گئی- پس انہوں نے فرمایا- اس کی حد بندی کون کرسکتا ہے؟- حجۃ الوداع میں حضرت سید دوجہاں ﷺ کے ساتھ چالیس ہزار صحابہ تھے اور غزوۂ تبوک میں ستر ہزار تھے- اور ابوزرعہ رازی سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حبیب کائنات ﷺ کا وصال مبارک ہوا اور اس وقت آپ ﷺ سے روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی- اور ایک روایت میں ہے کہ یہ وہ صحابہ تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے سنا۔

امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل ہندی نے فرمایا- ''ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی ہیں''۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۵۹)

جاہل مجتہدین: صحابہ کرام میں مجتہدین کی تعداد بیس تھی اور سلفیوں میں مجتہدین کی تعداد بیس ہزار سے بھی زیادہ ہے- ان کے جاہل عوام بھی محض قرآن وحدیث کے تراجم پڑھ کر اجتہاد کے دعویدار نظر آتے ہیں- یہ لوگ ﴿**فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون**﴾ کے حکم سے غافل ہیں۔

مجتہد اور مقلد

اجتہاد مجتہد وتحقیق مقلد:〈۱〉مجتہد کیلئے یہ حکم ہے کہ اپنے ظن غالب اور اجتہاد پر عمل کرے- لیکن مقلد کیلئے ایسا حکم نہیں کہ جو حکم اس کی تحقیق سے ثابت ہو، اسی پر عمل کرے- بلکہ فقیہ کو افقہ کی جانب رجوع کا حکم ہے۔

〈۲〉فقیہ مقلد اگر اپنی خطا پر مطلع ہو تو لازم ہے کہ اپنے قول سے رجوع کرے- جیسا کہ امام احمد رضا نے لکھا۔

〈۳〉اسی طرح مقلد کو اپنے امام کے قول پر عمل کرنے کا حکم ہے- جیسا کہ امام احمد رضا نے ''اجلی الاعلام'' میں ثابت فرمایا ہے- صرف اسباب ستہ کی وجہ سے تغیر پذیر احکام مستثنیٰ ہیں- مجتہدین فی المسائل، اصحاب التخریج و اصحاب الترجیح کیلئے قوت دلیل کے اعتبار سے کسی قول کو اختیار کرنے کا مشروط اختیار ہے۔

〈۴〉ہر فقیہ کے قول پر عمل کا حکم نہیں بلکہ راجح پر عمل اور مرجوح کے ترک کا حکم ہے- ظہور خطا کے بعد مجتہدین نے بھی رجوع کیا ہے- یا بعض امور میں ''لا ادری'' فرمایا- اب بعض محققین ''لا ادری'' و رجوع کو بھول بیٹھے۔

مجتہد اور تقلید:〈۱〉علامہ شامی نے لکھا﴿**ان المجتهد اذا اجتهد فی واقعة بحکم،یمتنع علیه تقلید غیره فیها اتفاقًا-والخلاف فی تقلیده قبل اجتهاده فیها-والاکثر علی المنع- لان المجتهد مامور بالعمل بمقتضٰی ظنه اجماعًا**﴾(ردالمحتار ج ۱ ص ۸۱)

〈ت〉مجتہد جب کسی واقعہ میں حکم کا استنباط کرلے تو اس کے اوپر، اس واقعہ میں اپنے علاوہ (دوسرے مجتہد) کی تقلید بالاتفاق ممنوع ہے- اور اس حادثہ میں اس کے استنباط سے قبل اس کی تقلید کے بارے میں اختلاف ہے- اور اکثر علماء ممانعت پر ہیں- اس لئے کہ مجتہد کو اجماعاً اپنے ظن غالب کے مطابق عمل کرنے کا حکم ہے۔

〈۲〉امام عبدالوہاب شعرانی شافعی (۸۹۸ھ-۹۷۳ھ) نے لکھا﴿**قد**

اجمع الناس علیٰ قوله ان مجتهدًا لاینکر علیٰ مجتهد–وان کل واحد یلزمه العمل بماظهر له–انه الحق–قد ارسل اللیث بن سعد رضی اللّٰه عنه سواءً کما مرَّ،الی الامام مالک یسأله عن مسئلة–فکتب الیه الامام مالک–اما بعد!–فانک یا اخی امام هُدًی وحکم اللّٰه تعالیٰ فی هذه المسئلة هوما قام عندک–انتهیٰ﴾ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱ص۳۳)

〈ت〉علماء نے اپنے اس قول پر اجماع کرلیا ہے کہ کوئی مجتہد کسی مجتہد کا انکارنہیں کرے گا–اور ہرایک کواس پرعمل کرنا ضروری ہے جس کی حقانیت اس کیلئے ظاہر ہوجائے–اور جیسا کہ گذرچکا ہے کہ لیث بن سعد مصری (۹۴ھ–۱۷۵ھ) نے امام مالک (۹۳ھ–۱۷۹ھ) کے پاس ایک سوال بھیجا–وہ ایک مسئلہ کے بارے میں امام مالک سے دریافت کررہے تھے –پس امام مالک نے انہیں لکھا–اما بعد!–پس بے شک اے میرے بھائی–آپ ہدایت کے امام ہیں اوراللہ تعالیٰ کا حکم اس بارے میں وہی ہے جورائے آپ کے یہاں قائم ہوجائے (یعنی مجتہد کواپنے ظن غالب پرعمل کرنے کا حکم ہے،دوسرے مجتہد سے سوال کی اجازت نہیں)

〈۳〉امام زرکشی شافعی (۷۴۵ھ–۷۹۴ھ) نے تقلید کے بارے میں لکھا ﴿والقول الثالث–وهوالحق وعلیه الائمة الاربعة وغیرهم–یجب علی العامی ویحرم علی المجتهد–وقول الشافعی وغیره–لایحل تقلید احد–مرادهم علی المجتهد﴾(البحرالمحیط ج۶ص۲۸۰)

〈ت〉تیسراقول اوریہی قول حق ہے اوراسی مذہب پرائمہ اربعہ وغیرہم ہیں کہ عام مومن پرتقلید واجب ہے اورمجتہد پرحرام ہے–اورامام شافعی وغیرہ کا قول کہ کسی کی تقلید جائزنہیں–ان کی مراد ہے مجتہد کیلئے (کسی کی تقلید جائزنہیں)

شرائط افتاء

اقول: فتویٰ نویسی اسی کیلئے جائز ہے جوجزئیات فقہیہ کے ساتھ اصول فقہ وقواعد فقہیہ کا قوی علم رکھتا ہو–اور ماہر مفتی کے پاس تربیت پاچکا ہو–یہ ہرکسی کا مقدرنہیں–غیرتربیت یافتگان کوخموشی بہتر ہے۔

〈۱〉امام اہل سنت نے تحریرفرمایا ’’علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا ہے جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کی صحبت نہ کیا ہو‘‘۔(فتاویٰ رضویہ ج۹ نصف اول ص۲۳۱–رضااکیڈمی ممبئی)

〈۲〉شاہ ولی اللہ محدث دہلوی(۱۱۱۴ھ–۱۱۷۶ھ) نے لکھا﴿لـــو ان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا لابد ان یتلمذ للفتویٰ حتی یهتدی الیه–لان کثیرًا من المسائل اجاب عنها اصحابنا علیٰ عادة اهل بلدهم ومعاملاتهم فینبغی لکل مفتی ان ینظرالیٰ عادة اهل بلده و زمانه فیما لاتختلف الشریعة﴾ (عقدالجید ص۴۱–استنبول ترکی)

〈ت〉اگرآدمی اپنے اصحاب کی تمام کتابیں یادکرلے توفتویٰ دینے کیلئے اسے شاگردی اختیارکرنا ضروری ہے–تاکہ وہ اس کی راہ پالے–اس لئے کہ ہمارے فقہاء نے اکثرمسائل کا جواب اپنے اہل شہرکی عادت وعرف اوران کے معاملات کے مطابق جواب دیا ہے–پس لازم ہے کہ ہرمفتی اپنے اہل شہراوراپنے اہل زمانہ کی عادت پرنظررکھے–ان امرمیں جن میں شریعت کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔

〈۳〉علامہ شامی نے لکھا﴿فللمفتی اتباع عرفه الحادث فی الالفاظ العرفیة وکذا فی الاحکام التی بناها المجتهد علیٰ ما کان فی عرف زمانه و تغیرعرفه الیٰ عرف اٰخراقتداءً بهم لکن بعد ان یکون المفتی ممن له رأی ونظرصحیح ومعرفة بقواعد الشرع حتّٰی یمیز بین العرف الذی یجوز بناء الاحکام علیه وبین غیره–فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا–فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها و قیودها التی کثیرًا ما یسقطونها ولایصرحون بها اعتمادًا علیٰ فهم المتفقه–وکذا لابد له من معرفة عرف زمانه و احوال اهله والتخرج فی ذلک علیٰ استاذ ماهر﴾(شرح عقود رسم المفتی ص۴۱)

〈ت〉پس مفتی کیلئے اپنے عرف جدید میں الفاظ عرفیہ کا اتباع کرنا ہے–اوراسی طرح ان احکام میں جن کی بنیادمجتہد نے اپنے زمانہ کے عرف پررکھا ہے–اوروہ عرف دوسرے عرف کی طرف بدل گیا–فقہاء متقدمین کی پیروی کرتے ہوئے–لیکن بعداس کے کہ مفتی ان میں سے ہوجوصاحب رائے،نظرصحیح اورقواعدشرعیہ کی معرفت رکھتا ہو یہاں تک کہ

اس عرف کی تمیز کر سکے-جس پر احکام کی بنا درست ہے اور جس پر احکام کی بنا درست نہیں-اس لئے کہ متقدمین نے مفتی میں اجتہاد کی شرط لگائی ہے-اور یہ شرط ہمارے زمانے میں مفقود ہے-پس کم از کم اس کیلئے ان شرائط اور قیود کے ساتھ ان مسائل کی معرفت کی شرط لگائی جائے جن کو اکثر حذف کر دیتے ہیں-اور فقیہ کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصریح نہیں کرتے-اور اسی طرح اپنے زمانہ کے عرف کی معرفت اور اپنے اہل زمانہ کے احوال کی معرفت ضروری ہے-اور اس بارے میں کسی ماہر استاذ کے پاس سیکھنا ضروری ہے۔

〈۴〉﴿وقد رأيت فى فتاوى العلامة ابن حجر-سئل فى شخص يقرأ ويطالع فى الكتب الفقهية بنفسه ولم يكن له شيخ-ويفتى ويعتمد علىٰ مطالعته فى الكتب-فهل يجوز له ذلک ام لا؟

فاجاب بقوله-لايجوزله الافتاء بوجه من الوجوه-لانه عامى جاهل لايدری مايقول؟بل الذی ياخذ العلم عن المشائخ المعتبرين لايجوز له ان يفتى من كتاب ولا من كتابين-بل قال النووی رحمه اللّٰه تعالیٰ-ولامن عشرة فان العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم علیٰ مقالة ضعيفة فى المذهب فلايجوزتقليد هم فيهابخلاف الماهر الذى اخذ العلم عن اهله وصارت له فيه ملكة نفسانية فانه يميز الصحيح من غيره ويعلم المسائل وما يتعلق بها على الوجه المعتد به-فهذا هوالذی يفتی الناس ويصلح ان يكون واسطة بينهم وبين اللّٰه تعالیٰ واما غيره فيلزمه اذا تسور هذا المنصب الشريف التعزيرالبليغ والزجرالشديد الزاجر ذلک لامثاله عن هذا الامرالقبيح الذى يؤدى الىٰ مفاسد لاتحصى-واللّٰه تعالیٰ اعلم﴾(شرح عقود رسم المفتی ص۱۱)

〈ت〉میں نے علامہ ابن حجر ہیتمی کے فتاویٰ میں دیکھا-اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو از خود فقہی کتابوں کو پڑھے اور مطالعہ کرے-اور اس کا کوئی شیخ نہ ہو-اور وہ فتویٰ دیتا ہو اور اپنے مطالعہ کتب پر اعتماد کرتا ہو-پس کیا یہ اس کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

پس علامہ ابن حجر نے جواب دیا-اس کیلئے کسی طرح فتویٰ دینا جائز نہیں-اس لئے کہ وہ عام فرد، لاعلم ہے-اسے معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے-بلکہ وہ شخص جو معتبر مشائخ سے علم حاصل کرتا ہے-اس کیلئے بھی ایک یا دو کتاب سے فتویٰ دینا جائز نہیں- بلکہ امام نووی نے فرمایا کہ نہ ہی دس کتابوں سے-اس لئے کہ دس اور بیس مؤلفین کبھی اعتماد کرتے ہیں مذہب کے کسی ضعیف قول پر-پس ان کی تقلید جائز نہیں ہے-برخلاف ماہر کے جس نے قابل استاذ سے علم حاصل کیا-اور اسے اس بارے میں ذاتی ملکہ ہو گیا تو وہ صحیح اور غیر صحیح کی تمیز کر لیتا ہے-اور مسائل کو اور اس کے متعلقات کو قابل اعتماد طریقے پر جانتا ہے-پس یہ وہ ہے جو لوگوں کو فتویٰ دیگا-اور اللہ تعالیٰ اور مومنین کے درمیان واسطہ ہو سکتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ جب اس بزرگ منصب پر آ جائے تو زبردست تعزیر اور شدید زجر لازم ہے جو ان کے مماثلین کو اس امر قبیح سے روکنے والا ہو-جو بے شمار مفاسد تک پہونچانے والا ہو۔

〈۵〉صدرالشریعہ نے لکھا-حاکم اسلام پر لازم ہے کہ اس بات کا تجسس کرے کہ کون فتویٰ دینے کے قابل ہے اور کون نہیں ہے-جو نا اہل ہو، اسے اس کام سے روک دے کہ ایسوں کے فتویٰ سے طرح طرح کی خرابیاں واقع ہوتی ہیں-جن کا اس زمانے میں پوری طرح مشاہدہ ہو رہا ہے۔(عالمگیری)(بہار شریعت ح۱۲ص۱۷)

نکاح ایک محکم قانون فطرت

از: مفتی ضمیم احمد مصباحی، ناگپور

فرمان باری تعالیٰ ہے: "فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الاتعدلوا فواحدة" (ترجمہ) نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دودواور تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔ (ترجمۂ رضویہ)

حضرت عکرمہ نے سید المفسرین حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ "قریش دس دس بلکہ اس سے زیادہ عورتیں کرتے تھے اور جب ان کا بار نہ اٹھ سکتا تو جو یتیم لڑکیاں ان کی سرپرستی میں ہوتیں ان کے مال خرچ کر ڈالتے اِس آیت میں فرمایا گیا کہ اپنی استطاعت دیکھ لو اور چار سے زیادہ نہ کرو تا کہ تمہیں یتیموں کا مال خرچ کرنے کی حاجت پیش نہ آئے۔ (ماخوذ از خزائن العرفان)

مسئلہ: آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آزاد مرد کیلئے ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا کسی کیلئے جائز نہیں سوائے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل فرض ہے یہ عدل اور برابری لباس میں، کھانے پینے میں، شکنیٰ یعنی رہنے کی جگہ میں اور رات کو رہنے میں لازم ہے ان امور میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح میں بالغ اور بالغہ کی پسند اور ناپسند کا اعتبار ہے اور اہل خانہ ،خویش واقارب اور دوست واحباب کی پسند ثانوی درجہ کی چیز ہے۔ کیونکہ حکم قرآنی "نکاح میں لاؤ جو تمہیں خوش آئیں" نکاح کرنے والوں کی طرف متوجہ ہے۔ لہذا اگر جانبین کے اہل خانہ اور متصادم نہ ہو حرف آخر تصور کی جائے اور رشتہ طے کر لیا جائے اسی میں دونوں جہان کی بہتری اور بھلائی پوشیدہ ہے۔

نیز اشارةً یہ بھی معلوم ہوا کہ بالغ اور بالغہ نکاح کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں کیونکہ حکم قرآنی ہے "ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں خوش آئیں" اور ظاہر ہے کہ دیکھنے سے جو یقین حاصل ہوگا وہ سن کر حاصل نہیں ہوتا اگر چہ بسا اوقات سن کر بھی کافی حد تک اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے اگر ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو بہتر ہے۔ تا کہ یہ مقدس بندھن اور پاک رشتہ پائداری، استحکام اور مضبوطی کی زنجیروں میں جکڑ جائے اور زندگی کی آخری سانس تک یہ رشتہ قائم اور برقرار رہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کرنے والوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی جو مختصر سی اجازت ہے وہ حدود شرع میں رہتے ہوئے ہے لہذا صرف اور صرف نکاح کرنے والے ہی ایک دوسرے کو دیکھیں اگر لڑکی کو دیکھنے کیلئے لڑکے والوں کی جانب سے کچھ مستورات اور خواتین بھی اس تقریب میں شامل ہو جائیں تو کوئی قباحت نہیں ہے لیکن پورا حلقۂ یاراں اور کاروان احباب اور چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد بھائیوں کا پورا ٹولہ شریک بزم ہو ہر گز ہر گز اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ ہمیں مزاجِ شریعت کو سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور ہمارے قلب وقالب اور اجسام وارواح کی درستگی کا سامان فراہم فرمائے۔ 'ولاحول ولا قوة الابالله العلی العظیم'

مفتی ضمیم احمد مصباحی دارالعلوم احمدیہ بغدادیہ
شطرنجی پورہ ناگپور

بیماری اور اس کا علاج

عیادت کے فضائل

از: حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی، ٹاٹا نگر

سرور کائنات ﷺ کی سنت اور آپ کا اسوہ یہ ہے کہ جب آدمی بیمار ہو، صحت خراب ہو تو علاج کرایا جائے۔ اس لئے جو شخص علاج کراتا ہے وہ سنت پر عمل کرتا ہے اور جو نہیں کراتا وہ سنت کو ترک کرتا ہے۔ علاج نہ کرانا کسی فضیلت کا باعث ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ اس سے احتراز فرماتے۔

''بیماری ''گناھوں سے پاکی کا ذریعه ھے : حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے بدلے کوئی نا کوئی گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کا درجہ بلند فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے '' الحمی من فیح جھنم '' یہ بخار جہنم کی گرمی کا حصہ ہے (بخاری شریف باب صفۃ النار) علمائے کرام نے اس حدیث پاک کی مختلف تشریحات کی ہیں بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ یعنی جہنم میں جو گرمی برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے بدلے میں اللہ نے یہ گرمی دے دی تا کہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔ اللہ کے نبی ﷺ جب مریض کی عیادت فرماتے تو فرماتے '' لاباس طھور انشاء اللہ'' یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا سبب اور ذریعہ بن جائے گا۔

بیماری اور اس کا علاج : پارہ ۷، رکوع ۷، سورہ انعام آیت نمبر ۱۶، ۱۷ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ط وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اگر تجھے بھلائی آرام پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور حکمت والا جاننے والا ہے (ترجمہ کنز الایمان) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ نے ہر بیماری کا علاج رکھا ہے اور بیماری سے زیادہ قوت (شفاء) دوا میں رکھی ہے۔ اس سے علاج کی اہمیت اور افادیت سامنے آتی ہے آپ ﷺ نے علاج کروایا اور لوگوں کو بکثرت دوائیں و علاج بتائے۔ اس کی وجہ سے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبی معلومات اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ لوگ اکثر علاج پوچھنے آتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف امراض کی دوائیں اور ان کے علاج بتائے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو علاج کا مشورہ دیا اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا۔ علاج کو توکل کے منافی سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ توکل یہ نہیں ہے کہ آدمی اسباب و وسائل کو اختیار نہ کرے۔ بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اصل اعتماد اسباب و وسائل پر نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر ہو۔ وسائل کو اختیار کئے بغیر جو توکل کیا جائے وہ توکل غلط قسم کا توکل ہوگا۔ بیماری میں توکل یہ ہے کہ آدمی دوا علاج کرنے کے باوجود اللہ پر بھروسہ رکھے اور مرض اور شفاء سب کو رب کی جانب سے سمجھے۔

رحمت کامله کا سایه : ☆حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس بندے پر میں نے ایک بیماری نازل کی اور اس پر اس نے صبر کیا اور لوگوں سے اس کا شکوہ شکایت نہیں کی۔ اب اگر میں اس کو صحت دونگا تو اس سے بہتر گوشت و پوشت اس کو دونگا۔ ☆حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی بھیجی اگر تجھ پر کوئی بلا نازل ہو تو میری مخلوق کے پاس شکایت سے بچنا۔ اور میرے ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا کہ میں تیرے ساتھ کرتا ہوں کیوں کہ جس طرح میں تیری شکایت فرشتوں کے سامنے نہیں کرتا اس وقت جب تیرے برے اعمال میرے سامنے آتے ہیں ایسے ہی تجھے مناسب ہے کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت و بلا و بیماری آئے تو میری شکایت سے پرہیز کیا کرو۔ کیونکہ شکوہ شکایت سے تیرا دشمن خوش ہوگا اور دوست غمگین ہوگا۔

بیماری پر صبر اور اس پر انعام : وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ۔ اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے (ترجمہ)۔ جو شخص

عبادت الٰہی پر صبر کرتا ہے اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے اسے قیامت کے دن اللہ 300/ ایسے درجات عطا فرمائے گا جن میں ہر درجہ کا فاصلہ زمین وآسمان کے برابر یعنی دوری ہوگی۔ جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرے گا اسے 600/ درجات بلندی عطا فرمائے گا جن میں ہر درجہ کا فاصلہ آسمان تا ساتویں آسمان کے برابر ہوگا اور جو مصائب و بیماری پر صبر کرتا ہے اسے 700/ درجات عطا ہونگے ہر درجہ کا فاصلہ تحت الثریٰ سے عرش علٰی کے برابر ہوگا (مکاشفۃ القلوب جلد اول صفحہ 50)۔ حدیث پاک میں ہے جو شخص رات بھر بیمار رہا اور صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوا (اور بیماری کا ہوہلہ نہ کیا) تو وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے کے اپنی پیدائش کے وقت تھا اس لئے جب تم بیمار ہو جاؤ تو عافیت کی تمنا کرو۔

بیماری اوررنج و غم گناھوں کو مٹا دیتے ھیں: حضرت علامہ ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص 40/ راتوں میں ایک رات بھی گرفتار رنج والم نہ ہوا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے کوئی خیر اور بھلائی نہیں۔

جھوٹے بیمار کا عذاب: حدیث پاک میں ہے لا تمارضوا فتمرّضوا فتموتوا فتدخلوا النار جھوٹا بیمار مت بنو کہ حقیقت میں بیمار بن جاؤ گے اور مر جاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے (ترجمہ)۔ خدا سے ہمیشہ ڈرو کہ جھوٹا بیمار بننے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقت میں بیمار کردے اور عاقبت خراب ہونے کا خوف الگ سے دامن گیر ہو (حوالہ الملفوظ حصہ چہارم صفحہ 35، خطبات محرم صفحہ 539)۔

تعزیت کرنا بھی عبادت ھے: مولائے رحیم نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول رکھے ہیں جو شخص چاہے اپنے ظرف کے مطابق اس سے فائدے حاصل کرسکتا ہے فرائض و واجبات کی اہمیت سے تو مسلمان ایک حد تک واقف ہیں، لیکن بہت سی باتیں جن کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاتی ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت اہم ہوتی ہیں انہی میں سے عیادت (بیمار پُرسی) تعزیت (مصیبت زدہ کی تسلی و دلجوئی) کرنا جن کی بڑی فضیلت اور بڑا ثواب ہے کبھی کسی مصیبت زدہ کی معمولی سی ہمدردی ہمیشہ کے لئے اس کو ہمدردی کرنے والے سے منسلک کر دیتی ہے۔ حدیث میں عیادت و تعزیت کے بہت سے فضائل ہیں مسلمانوں کے مسلمانوں پر جو حقوق ہیں ان میں، عیادت اور جنازہ بھی شامل ہے قال رسول اللہ ﷺ حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطش (بخاری ومشکوٰۃ) سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا اور بیمار کی عیادت کرنا اور جنازے کے پیچھے چلنا اور دعوت کا قبول کرنا اور چھینکنے والے کا جواب دینا (جب چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کو یرحمك الله کہنا) (ترجمہ)۔ لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان باتوں کی پُرسش فرمائے گا۔ حدیث پاک میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے آدمی میں بیمار ہوا تو تونے میری عیادت نہیں کی، وہ عرض کرے گا اے پروردگا میں تیری عیادت کیسے کرتا، تو تو پروردگار عالم ہے، اللہ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تونے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے نزدیک پاتا۔ اے آدمی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تونے مجھ کو نہیں کھلایا وہ عرض کرے گا کہ میں تجھ کو کیسے کھلاتا تو تو پروردگار عالم ہے اللہ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو علم نہیں کہ میرا فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تونے اس کو نہیں کھلایا، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کا ثواب مجھ سے پاتا؟ اے آدمی میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تونے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار میں تجھ کو کیوں کر پانی پلاتا۔ تو تو پروردگار عالم ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تونے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! قربان ہو جائیں پیارے اسلامی بھائیو مولائے رحیم کی کرم نوازی پر۔

بیمار پُرسی و تعزیت کے فضائل: جو شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے، اگر وہ صبح کو عیادت کرے گا تو صبح سے شام تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے اور اگر شام کو عیادت کرے گا تو شام سے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے اور اس کو عیادت کا ثواب جنت میں ایک باغ کی شکل میں ملے گا۔ عیادت کی فضیلت و برکت یہ بھی ہے کہ عیادت کرنے والے کو آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے کہ تیری زندگی اچھی ہوئی اور تیرا چلنا اچھا ہوا اور

تیرا مقام جنت کے ایک مکان میں ہوگا یعنی عیادت کی برکت سے دنیا اور آخرت میں اچھی زندگی حاصل ہوگی۔ایک مسلمان کی عیادت خود بھی جنت کے باغ کے سیر کے برابر ہے اور اس کا بے انتہا ثواب ہے۔

عیادت کا اسلامی طریقہ : جب مریض کی عیادت کو جائے تو اس سے اس طرح سے باتیں کرے کہ اس کی طبیعت میں فرحت و سرور پیدا ہو اور مرض کی شدت کے سبب اس کو موت کا خطرہ ہو تو اس کو اپنی دلچسپ باتوں سے دور کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مرض کو معمولی بتائے اور کہے کہ آپ جلد اچھے ہو جایئے گا(حدیث) دوسری حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم بیمار کے پاس جاؤ،تو اچھی باتیں کر کے اس کے دل سے موت کا خطرہ دور کردو۔ بلا شبہ اس سے کوئی چیز دور نہیں ہوگی مریض کا دل خوش ہوگا۔

بیماری پر کفریہ لفظ گناہ ہے،کلمات کفر کی چند مثالیں: (۱) اللہ نے مجھ کو بیمار کر کے مجھ پر ظلم کیا ہے(معاذ اللہ)، اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے یہ کلمۂ کفر ہے(حوالہ البحر الرائق، جلد 5/صفحہ 209)

(۲) جو شخص مصیبت میں ہو اور بیمار ہو، یہ کہے اے اللہ تو نے مال لے لیا ،فلاں چیز لے لی،اب کیا کرے گا یا اب کیا باقی رہ گیا ہے یا اب جان لے لے گا یہ قول کفر ہے(بہار شریعت جلد 9/صفحہ 172)۔

(۳) کسی مسکین اور بیمار نے اپنی محتاجی اور بیماری کو دیکھ کر یہ کہا یا اللہ میں بھی تیرا بندہ ہوں اور میں بیمار ہوں اور تیرا فلاں بندہ عیش وعشرت میں ہے ،آخیر یہ کیا معاملہ ہے کیا یہ ہی تیرا انصاف ہے ایسا کہنا کلمۂ کفر ہے(بہار شریعت جلد 9/صفحہ 170)۔

(۴) جو کہے اللہ نے مجھ مجبور کو بیمار کر کے اور پریشان کیا ہے(معاذ اللہ) یہ کلمۂ کفر ہے(فتاویٰ عالمگیری جلد 2/صفحہ 260)۔

اللہ پاک ہم سبھی کو بیماری، عیادت اور تعزیت کے احکام جاننے اور سمجھنے عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد و پائندہ باد

حضرت علامہ سید شاہ آل رسول حسنین میاں برکاتی نظمی (مارہرہ شریف)

عجب طرفہ تماشا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں اور خود اعلیٰ حضرت کو نیچا دکھانے کی فکر کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں۔محسن کش،احسان فراموش، ہرا یرا غیرا نتھو خیرا اعلیٰ حضرت کی تنقید کے جنوں مین مبتلا ہے۔اور تو اور کچھ نام نہاد سید زادے بھی مخالفین کے اس لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔یہ سید زادے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اعلیٰ حضرت نے ان کے نانا جان کے دین کی حفاظت کے لئے اتنی محنت کی۔وہابیوں اور دیو بندیوں نے اعلیٰ حضرت کی جائیداد پر قبضہ نہیں کیا تھا، نہ ان کے آباؤ اجداد کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔ان ملاعنہ نے خاندان اہل بیت کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔ نبی کی توہین کی تھی۔قاعدے سے خاندان اہل بیت کے افراد کو ہی ان دشنام طرازیوں کا جواب دینا چاہیے تھا۔مگر اعلیٰ حضرت نے نبی کے ایک غلام کی حیثیت سے اپنا سینہ سپر دکر دیا اور دشمنوں کا پر وار اپنے اوپر جھیلا۔کون مائی کا لال ہے جو جان بوجھ کر کسی کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالے؟ اعلیٰ حضرت نے جس بد عقیدگی کو چیلنج کیا تھا وہ بڑی طاقتور جماعت تھی۔اس کے پاس دنیا کے سارے مادی وسائل تھے۔حکومت میں وہ دخیل، گنڈے،اور بدمعاش انہیں کے پھٹو، پیسے کی ریل پیل، اختیارات والے ان کے متبعین میں شامل۔ایسوں سے ٹکر لینا وہ بھی ایک دو سال کی بات نہیں۔امام احمد رضا نے محض اپنے رب کی خوشنودی کے لئے دین کے دشمنوں سے لوہا لیا۔انہوں نے ہر زاویہ سے مسلمانوں کے عقائد وایمان کا تحفظ کیا، غلبۂ اسلام کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور دین وملت کی تجدید فرمائی۔امام احمد رضا نے وہی عقائد پیش فرمائے اور اسی مسلک کو زندہ کیا جو صحابہ کرام، اہل بیت اطہار ،تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، غوث وخواجہ اور اولیاء وعلماء کا مسلک رہا ہے۔یہی اصل اسلام سواد اعظم اور مسلک اہلسنت ہے۔اور اسی کو آج مسلک اعلیٰ حضرت بھی کہتے ہیں۔تعجب ہے اعلیٰ حضرت تمام زندگی جن سے عقیدے کی جنگ لڑتے رہے وہ تو اعلیٰ حضرت کی عظمت کا اعتراف کریں اور جن کے عقیدے کی حفاظت کے لئے لڑتے رہے وہی ان کی مخالفت کے جنون میں مبتلا نظر آتے ہیں۔مولوی اشرف علی تھانوی تو امام احمد رضا کے عشق رسول کا اعتراف اس طرح کریں۔میرے دل میں احمد رضا کیلئے بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر ہی کہتا ہے۔کسی اور غرض سے نہیں۔اور ایک یہ نام نہاد سنی ہیں جو اپنے قلم وزبان سے اعلیٰ حضرت کی شان میں براہ راست یا بالواسطہ اہانت آمیز عبارتیں بول کر اور چھپوا کر احسان فراموشی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

دراصل یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت کے ناقدین کو اتنی اہمیت دیتے ہیں انگریزی میں کہاوت ہے۔کتے بھنکتے رہتے ہیں، کارواں گزرتے رہتے ہیں۔اعلیٰ حضرت کے معاندین حسد کے مرض میں مبتلا ہو کر بورا گئے ہیں۔ان لوگوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جانی چاہیئے ۔ سستی شہرت کے بھوکے یہ لوگ دو ٹکے کے پرچوں کے ذریعہ آئے دن دنیائے سنیت کی کسی نہ کسی عبقری شخصیت پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں۔جس دن عاشقان رضا نے ان مخالفین کو نظر انداز کرنا شروع کیا، اسی دن یہ اپنی موت آپ مرجائیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں ہمیں اس طرح کے تمام اشرار سے محفوظ رکھے۔آمین۔

برکات اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

از: عطاء الرحمٰن نوری، مالیگاؤں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصّلوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

حمد وستائش اُس ذات کے لیے جس نے اس کارخانۂ قدرت کو امر کُن سے وجود بخشا اور ایک مشت خاک سے انسان بنایا اور اس کو "**لقد کرمنا بنی آدم**" کا تاج پہنایا۔ پھر اس خاک کو عزت دینے کے لیے ان میں انبیائے کرام کو بھیجا کہ یہ تمام نعمتوں سے بالاتر نعمت ہے پھر درود لامحدود اس محبوب پر جس کا وجود مسعود اس جہان کی پیدائش کا سبب ہے۔ سارا باغِ عالم اسی ایک سچے پھول کے لیے لگایا گیا۔ آدم، آدمیان عالم اور عالمیان اسی دولہا کے براتی اور اسی نوشہ کے طفیل ہیں۔

خدائے یکتا نے دیگر انبیائے کرام کو معجزات عطا فرمائے اور اپنے محبوب یکتا کو سرتاپا معجزہ بنادیا۔ آپ کا اسم گرامی "محمد" بھی بہت ہی جامع ہے۔ جس میں آپ کے بے شمار فضائل بیان ہوگئے ہیں۔ آدم کا معنیٰ ہے مٹی سے پیدا ہونے والے، عیسیٰ کے معنیٰ ہیں بہت شریف النفس، کریم الطبع وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام ناموں میں ایک ایک وصف کی طرف اشارہ ہے مگر "محمد" کے معنی ہیں ہر وصف میں ہر طرح بے حد تعریف کئے ہوئے۔ اس میں آپ کی لاتعداد کمالات وخوبیوں کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کا نام مبارک بھی چند وجھوں سے معجزہ ہے، اول یہ کہ سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں، لقب قوم دیتی ہے، خطاب حکومت سے ملتا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام، القاب، خطاب سب رب کی طرف سے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فرشتے کی تعلیم سے آپ کا نام محمد رکھا۔ دوم یہ کہ عام طور پر پیدائش کے بعد مولود کا نام تجویز کیا جاتا ہے لیکن نبی آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اسم گرامی تخلیق انسانیت سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش اعظم پر لکھا اور اپنے نام کے ساتھ ملا کر اس کی رفعت وعظمت کو واضح فرمادیا۔ اس سلسلے میں چند روایات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام نے ساق عرش اور جنت میں ہر جگہ اسم پاک "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اسم پاک "اللہ" (عزوجل) کے ساتھ لکھا ہوا پایا۔ یعنی جنت کے ہر دروازے پر، جنت کے پتے پتے پر، حوروں کی آنکھوں میں، غلماں کے سینوں پر غرضیکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہاں پر انجیل دی گاسپل آف برناباس کے ایک اقتباس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تخلیق آدم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ،حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قدموں پر اٹھ کر فضا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمک رہی تھی (وہ تحریر تھی) **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی الٰہی! محمد رسول اللہ کا مطلب کیا ہے؟ کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی گزرے ہیں؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ پہلے انسان ہیں جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جس نام کو آپ نے (سورج کی طرح چمکتے) دیکھا وہ آپ کا بیٹا ہے جو عرصۂ دراز کے بعد دنیا میں تشریف لائے گا اور میرا رسول ہوگا، جس کی خاطر میں نے ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب وہ آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا جس کی روح تخلیق کائنات سے ساٹھ ہزار برس پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔ آدم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں بصد ادب التجا کی: یا اللہ! یہ تحریر میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں پر یہ تحریر ظاہر فرمائی۔ دائیں انگوٹھے کے ناخن پر "**لا الہ الا اللہ**" اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر "**محمد رسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" لکھا گیا۔ تب حضرت آدم علیہ السلام نے پدرانہ شفقت سے ان الفاظ کو بوسہ دیا اور ان پر اپنی آنکھیں ملیں اور کہا یا رسول اللہ وہ دن کتنا مبارک ہوگا جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(دی گاسپل آف برناباس: ص۵۰) بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۱۷/۱۸)

آج بھی اہل سنت جب اپنے محبوب آقا کا اسم گرامی سنتے ہیں تو جوش محبت سے اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں۔ درحقیقت یہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔

روح البیان میں ہے کہ ایک اسرائیلی سو برس کا گنہگار تھا، بعد موت

اسے لوگوں نے گھوڑے پر ڈال دیا۔ اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے اس بندے کو غسل، کفن، نماز کے بعد دفن کرو، اس نے ایک بار توریت میں ''محمد'' نام دیکھ کر اسے بوسہ دیا تھا۔ ہم نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے۔ (تفسیر روح البیان؛ سورۂ احزاب)

اسم ''محمد'' کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مکمل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے میں فرمایا'' اسمہ احمد'' ۔ انبیائے کرام نے اس نام کے طفیل سے دعائیں کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو فرمایا: اے میرے بیٹے! آپ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اس کے ساتھ ساتھ اسم پاک ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا کیوں کہ میں نے اس مبارک نام کو عرش کی بلندیوں، آسمان کی وسعتوں اور جنت کی بہاروں میں ہر جگہ مرقوم پایا پس نام پاک ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکر کرنا کیوں کہ فرشتے ہر گھڑی اس مبارک نام کا ذکر کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ دیگر انبیائے کرام کے نام کے معانی ایسے اعلیٰ نہیں جیسے ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معانی ہیں۔ یعنی بے عیب اور ہر طرح سے لائق حمد، سب کا سراہا ہوا۔ ہر جگہ تعریف کیا ہوا عرش و فرش، بحر و بر، دشت و جبل ہر جگہ حضور ہی کی تعریف ہے۔ اہل زبان ' محمد ' کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ **الذی یحمد حمداً بعد حمدٍ، الذی یحمد مرۃً بعد مرۃٍ**۔ یعنی جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف پہ تعریف اور بار بار تعریف کی جائے اسے ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ یعنی خالق بھی آپ کی تعریف فرماتا ہے اور ساری مخلوق بھی۔ اور ہمیشہ آپ کی تعریف کیے ہوئے کہ دنیا کی آفرینش سے پہلے آپ کی تعریف شروع ہوئی اور قیامت تک بلکہ ہمیشہ آپ کی تعریف ہوتی رہے گی۔ کوئی شخص آپ کو محمد کہہ کر برا نہیں کہہ سکتا اگر کہے گا تو خود اپنے منہ سے جھوٹا ہوگا کہ انہیں کہتا تو ہے محمد یعنی لائق حمد اور کرتا ہے برائیاں، اسی لیے کفار مکہ نے آپ کا نام مذمم رکھ کر آپ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کی ناکام سعی کی، مصطفیٰ پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ہم کو ہمارے رب نے کفار کی گالیوں سے بچایا کیوں کہ یہ لوگ مذمم کو برا کہتے ہیں، ہوگا کوئی مذمم ہم تو محمد ہیں (یعنی ہمیشہ تعریف کئے جانے والے)۔

نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

جس طرح کلمۂ جلالت ' اللہ ' اپنے دلالت میں حرفوں کا محتاج نہیں، اگر اوّل کا الف نہ رہے تو للہ بن جاتا ہے، اگر لام بھی نہ رہے تو لہٗ ہے، اگر درمیان کا الف بھی نہ ہو تو،،ہٗ ہے۔ اسی طرح لفظ محمد دلالت میں حرفوں کا حاجت مند نہیں، اگر اوّل کی میم الگ ہو جائے تو حمد باقی رہتا ہے۔ اگر،،ح،، بھی اڑ جائے تو مد رہتا ہے یعنی کھینچنا یعنی مخلوق کو کھینچ کر خالق تک پہنچانا، اگر بیچ کی میم بھی نہ رہے تو دال باقی رہے بمعنی رہبر۔

چہارم یہ کہ اسی نام مبارک سے برسوں کا کافر بھی مومن ہو جاتا ہے۔ پنجم یہ کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے قبر کے امتحان میں کامیابی اور محشر میں نجات ہے۔ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مقدس وہ کیمیا ہے جس سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے پورے قرآن مجید میں صرف چار جگہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام پاک سے یاد فرمایا ہے۔ ایک سورۂ احزاب میں ''**ما کان محمد ابا احد**'' الخ اور دوسرے سورۂ فتح میں'' **محمد رسول اللہ**'' الخ تیسرے سورۂ محمد میں ''**بما انزل علی محمد**'' الخ اور چوتھے ''**وما محمد الا رسول**'' الخ اس نام پاک کے آنے میں بہت مصلحتیں ہیں۔ چار جگہ نام پاک آیا کہ لفظ ،محمد، میں حرف بھی چار ہی ہیں۔ اللہ ہی جانے کہ چار میں کیا خصوصیت ہے۔ حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی صاحب ''شان حبیب الرحمٰن آیات القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

چار رسل، فرشتے چار، چار کتب ہیں، دین چار
سلسلے دونوں چار چار، لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانیت سے قبل اپنے محبوب کا نام عرش اعظم پر اپنے نام کے ساتھ ملا کر اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفعت و عظمت کو واضح فرما دیا۔ چند روایات ہدیۂ ناظرین ہیں۔ محمد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم ذاتی ہے اور باقی اسما اسمائے صفاتیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام بلکہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال پہلے آپ کا نام محمد رکھا۔ نزہۃ القاری فی شرح صحیح البخاری میں ہے کہ

آپ کے اسمائے ذات دو ہیں احمد اور محمد۔ کتب سابقہ میں احمد ہے اور قرآن میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ نیز آسمان میں احمد اور زمین میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ خصائص کبریٰ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے نامدار مدینے کے تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں نام محمد ہے، انجیل میں احمد اور توراۃ میں احید ہے اور میرا نام احید اس لیے ہے کیوں کہ میں امّت کو جہنم کی آگ سے دور رکھوں گا۔ مزید رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کے نام کی شان اس طرح اجاگر کیا کہ ہر نبی کے نام میں لفظ محمد، کا کوئی نہ کوئی حرف ضرور موجود ہے۔ ,,محمد،، ایسا اچھوتا نام ہے کہ اللہ رب العزت نے کسی نبی کو نہ دیا۔ اپنے محبوب ہی کے لیے منتخب فرمایا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کسی اور عام انسان کا نام نہ دیا، لسان العرب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے سات آدمیوں نے اپنے بچوں کے نام رکھے۔ اس امید پر کہ نبی آخر الزماں وہ ہی ہوں مگر وہ لوگ اس نام میں مشہور ہی نہ ہوئے اور حکمت خدا کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ ان افراد میں سے کوئی بھی نبوت کا داوی دار نہیں ہوا۔ کلمۂ ''محمد'' کو اللہ کے ساتھ بہت ہی مناسبت ہی مناسبت ہے، محمد میں حروف چار ہیں۔ اللہ میں چار ،محمد میں تشدید ایک، اللہ میں بھی ایک مگر لفظ اللہ کی تشدید پر الف (کھڑا زبر) ہے اور یہاں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ رب سلطان اور محمد رسول اللہ وزیر اعظم، پھر اللہ بولو تو دونوں لب علٰیحدہ علٰیحدہ ہو جائیں اور محمد بولو تو نیچے کا ہونٹ اوپر سے مل جائے جس سے معلوم ہوتا کہ اللہ کی ذات بلند و بالا کہ ہم بندوں کی وہاں تک رسائی ناممکن مگر محمد رسول اللہ ہم نیچوں کو اس بلند و بالا ذات تک پہونچانے والے ہیں۔

اب آیئے شان محمدی کے چند جواہر پاروں کو ملاحظہ فرمائیں:

(الف)(۱) مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان تو بڑی ارفع واعلیٰ، برتر و بالا ہے، جو اپنا نام محمد رکھے اس کی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام سے تبرک کے لیے اس کا نام ''محمد'' رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں گے۔

(۲) قیامت کے دن ملائکہ کہیں گے کہ جن کا نام محمد یا احمد ہے جنت میں چلے جاؤ۔ سبحان اللہ! قارئین کرام غور فرمائیں روز اول سے لے کر روز آخر تک آنے والے افراد جن کا نام محمد یا احمد ہوگا نسبت نام رسول کے صدقے رب قدیر انہیں جنت عطا فرمائے گا۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: روز قیامت دو شخص بارگاہ رب العزت میں کھڑے کئے جائیں گے، حکم ربی ہوگا، انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے: اے الٰہ العالمین! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے۔ ہم نے تو کوئی کام جنت کا کیا ہی نہیں۔ خدائے رحیم و کریم ارشاد فرمائے گا۔ جنت میں جاؤ کہ میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

(۴) مزید کرم بالائے کرم یہ ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملائکہ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں جس میں کسی کا نام محمد یا احمد ہو۔

(۵) شاہکار دست قدرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دسترخوان پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ان میں کوئی محمد نام کا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار مقدس کئے جائیں،، یعنی کہ جس گھر میں اس نام پاک کا کوئی فرد ہو، دن میں دوبار اس مکان میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جب نام محمد کی فضیلت کا یہ عالم ہے تو ذات محمد کس قدر افضل ہو گی۔ ان احادیث کریمہ وجلیلہ سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کا نام ''محمد'' رکھنا باعث برکت و رحمت ہے بلکہ خود سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کے نام پر نام رکھنے کی تاکید بھی فرمائی ہیں۔

(ب) احادیث کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ناموں کو محبوب خدا، انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے اسمائے طیبہ پر رکھنا مستحب ہے۔ چند احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) امام بخاری اپنی صحیح میں نقل فرماتے ہیں کہ صاحب قاب قوسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انبیا کے ناموں پر نام رکھو،،

(۲) آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: تم میں کسی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔ یعنی ہر بچے کا نام محمد رکھنے میں کیا حرج ہے۔

(۳) مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے تین بیٹے پیدا ہوئے اور وہ ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے ضرور جاہل ہے۔

(ت) شان اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب آیئے چند باتیں تعظیم اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لیے جگہ کشادہ کرو اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو۔

(۲) سرکار علیہ السلام نے فرمایا: جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اسے نہ مارو نہ محروم کرو۔

(۳) صاحب روح البیان نے سورۂ احزاب "ما کان محمد ابا احد ..الخ" کی تفسیر میں فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک بار ایاز کے بیٹے کو پکارا، اے ایاز کے بیٹے! استنجا کے لیے پانی لا، ایاز نے کچھ دنوں بعد عرض کیا کہ حضور مجھ سے یا میرے بیٹے سے کیا قصور ہوا کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا، فرمایا: تیرے بیٹے کا نام "محمد" ہے، میں اس دن بے وضو تھا، میں نے کبھی بغیر وضو محمد (ﷺ) کا نام اپنی زبان سے ادا نہ کیا۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ایست

اللہ پاک ہم سب کو اسم نبی کا ادب بجالانے اور تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے سینوں کو محبت رسول کا گنجینہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

(کتابیات)

۱۔ قرآن شریف (الف) سورۂ احزاب
(ب) سورۂ فتح (ت) سورۂ محمد
(ث) پارہ ۲۸، رکوع ۹

۲۔۔ تفسیر نعیمی جلد چہارم مفتی احمد یار خاں نعیمی ۳۔۔ بخاری شریف
۴۔۔ تذکرۃ الانبیاء /علامہ عبدالرزاق بھترالوی
۵۔۔ احکام شریعت، حصہ اوّل۔ سرکار اعلیٰ حضرت
۶۔۔ الملفوظ کامل، حصہ اوّل۔ سرکار اعلیٰ حضرت
۷۔۔ شان حبیب الرحمٰن۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی
۸۔۔ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ بمطابق جنوری ۱۹۸۴ء

☆☆☆☆☆

اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت کا جواز (فتویٰ)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل می کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے مسلک چار ہی ہے۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت کہہ کر پانچواں مسلک ایجاد کرنا جائز نہیں۔ بکر کہتا ہے مسلک اعلیٰ حضرت آج مسلک حق کی شناخت ہے اور درحقیقت یہ مسلک حنفی کا ہی دوسرا نام ہے الگ پانچواں مسلک نہیں ہے۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا جائز ہے۔ پھر اس سلسلے میں عمر کا کہنا ہے کہ اگر اہلسنت کی شناخت اور اس کے تشخص کے لئے ایک نام کی ضرورت پڑ گئی تھی تو اس میں اعلیٰ حضرت ہی کیجا نب مسلک کو منسوب کیا جائے اس کی کیا حاجت پڑی یہ مسلک کو تو علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف منسوب کیا جاسکتا تھا۔ مسلک فضل حق خیر آبادی کے نام سے یہ تشخص قائم کیا جاسکتا تھا۔ مسلک مجدد الف ثانی سے بھی مسلک اہلسنت کی پہچان کرائی جاسکتی تھی آخر علماء اکابر نے مسلک کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی طرف ہی کیوں منسوب کیا؟ اس بارے میں کافی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں جتنے منہ اتنی باتیں اس حوالے سے عوام وخواص میں آج کافی انتشار ہے تفصیلی اور مدلل نیز اطمینان بخش جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اس کا بہتر اجر عطا فرمائے گا۔ المستفتی:۔ حاجی محمد خلیل احمد رضوی صدر مرکزی مسجد باز اریم جی روڈ تریکرہ (کرناٹک)

الجواب:۔ مسلک حنفی واقعی کی نسبت حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وحضرت علامہ فضل حق خیر آبادی وحضرت مجدد الف ثانی علیہم الرحمۃ والرضوان کی طرف بھی بلاشبہ جائز ودرست ہے۔ کہ یہ حضرات مسلک واقعی حنفی کے ترجمان تھے مگر اس زمانے میں چونکہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ نے مسلک حنفیت کو نہایت واضح طور پر وہابیت ودیوبندیت سے علیحدہ کرکے بیان فرمایا۔ اس لئے ان کی طرف منسوب کرکے مسلک حنفیت کو مسلک اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔ اور نسبت کیلئے تھوڑی مناسبت بھی کافی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں انتشار پیدا کرنا اہل حق کو شیوہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الفقیر محمد ایوب نعیمی دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔ مورخہ ۵/ستمبر ۲۰۱۳۔

روضۂ اقدس پر صبح وشام ستر ہزار ملائکہ کی حاضری......!

از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

عہدِ حاضر کے امام عاشقاں، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ اپنے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' کے حصہ اول کی ردیف ''ی'' میں قصیدہ ''حاضری درگاہِ ابدی پناہ وصل دوم رنگِ عشقی'' میں فرماتے ہیں: ؎

چھائے ملائکہ ہیں لگا تار ہے درود
بدلے ہیں پہرے بدلی میں بارش دُرُر کی ہے
سعدین کا قِران ہے پہلوئے ماہ میں
جُھرمٹ کیے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے

''سعدین'' سے مطلب دوسیارۂ سعید ''زہرہ'' اور ''مشتری'' ہیں...... قِران سے مطلب اُن کا ایک دقیقۂ فلک میں جمع ہونا ہے...... یہاں پر امام احمد رضا نے یہ مثال دے کر بتائی ہے اور اسی مثال سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سعدین سے مراد ''حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما'' ہیں اور ماہ وقمر سے مراد ''حضور اکرم ﷺ کی ذات پُرنور'' ہے۔ تارے وہ ستر ہزار ملائکہ ہیں کہ جو مزارِ پُرانور پر ہر وقت چھائے رہتے ہیں۳...... اسی قصیدہ میں آگے فرماتے ہیں: ؎

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگیء زُلف و رُخ آٹھوں پہر کی ہے
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے
رُخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

ان اشعار کے حاشیہ میں درج ہے کہ:

''جو فرشتے شام کو حاضر ہونے والے تھے' ان کو دن بھر شام کی اُمید لگی تھی کہ شام ہو اور ہم حاضر ہوں...... اور جو صبح کو حاضر ہونے والے تھے، انہیں شب بھر صبح کی آس بندھی ہوئی تھی کہ صبح ہو اور ہم حاضر ہوں...... جو ایک بار حاضر ہو چکے ہیں انہیں نہ دن کو ویسی شام کی اُمید ہے نہ شب کو ویسی صبح کی کہ دوبارہ آنا نہ ہوگا''۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب ''جذب القلوب اِلیٰ دیار المحبوب'' میں ایک حدیث شریف نقل کرتے ہیں جو حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: وہ (حضرت کعب) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے' ان کی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر جاری تھا' حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبرِ مطہر حضور ﷺ کے گرد اگرد آجاتے ہیں اور صلوٰۃ (درود) بھیجتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ فرشتوں کا اسی تعداد میں آجاتا ہے اور جس طرح انہوں نے درود بھیجا تھا یہ بھی وہی کرتے ہیں' جس وقت تک آپ ﷺ قبر شریف سے نکلیں گے اس وقت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا''

پھر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ان ملائکہ کی تڑپ اور آس کا ذکر کرتے ہیں کہ جو ملائکہ ایک بار درِ اقدس پر حاضری کا شرف پالیتے ہیں وہ دوبارہ حاضری کے لیے تڑپتے رہتے ہیں مگر کس کی مجال کہ اس تعالیٰ کی حکم عدولی کرے، وہاں سے تو صرف ایک بار ہی حاضری کا اذن ہے جس میں اس تعالیٰ کی اپنے حبیب ﷺ سے محبت کا دخل کارفرما نظر آتا ہے کہ کثرت مائکہ کے سبب کوئی محروم نہ رہے، سب درِ محبوب کی حاضری کا شرف پالیں...... بروز حشر تک تمام فرشتے باری باری یہ سعادت حاصل کرلیں، فرشتے یونہی صبح سے شام اور شب سے سحر دوبارہ کی آس میں گزار رہے ہیں...... امام احمد رضا فرماتے ہیں: ؎

تڑپا کریں بدل کے پھر آنا کہاں نصیب
بے حکم کب مجال پرندے کو پَر کی ہے
اے وائے بیکسی تمنا کہ اب اُمید
دن کو نہ شام کی ہے نہ شب کو سحر کی ہے

حواشی: ۱...... امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی، حدائقِ بخشش، حصہ اول، مطبوعہ لاہور، ص:۲۸۱...... ایضاً، ص:۸۲ ۳...... ایضاً، ص:۸۲ (زیر حاشیہ) ۴...... ایضاً، ص:۸۲ ۵...... ایضاً، ص: ۸۲ (زیر حاشیہ) ۶...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الٰی دیار المحبوب، مطبوعہ کراچی، ص:۲۶۹ ۷۔ امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی، حدائق بخشش، حصہ اول، مطبوعہ لاہور، ص:۸۲

☆☆☆

الجامعۃ الاشرفیہ کے صدر مفتی نظام الدین کی مسلک مخالف کتاب ''فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت'' پر

علمی تبصرہ

قسط : ۱

حکیم الملت حضرت علامہ مفتی ناظر اشرف قادری، ناگپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم

اصطلاحات

منطوق:۔جس معنیٰ پر لفظ کی دلالت محل نطق میں ہوتی ہے، اسے منطوق کہتے ہیں۔(فتدبر)

نص:۔اگر وہ لفظ ایسے معنیٰ کا فائدہ دیتا ہے کہ اس معنیٰ کے سوا دوسرے معنوں کا احتمال اس لفظ میں ہو ہی نہیں سکتا، تو اس کو نص کہتے ہیں۔

ظاہر:۔کوئی لفظ یا عبارت ایک معنیٰ کے ساتھ دوسرے معنیٰ کا بھی ضعیف احتمال رکھے تو اس کو ظاہر کہتے ہیں۔

تاویل:۔اگر کسی دلیل کی وجہ سے لفظ ظاہر کو امر مرجوح پر محمول کیا جائے تو اسکو صورت تاویل کہتے ہیں۔

مفہوم:۔لفظ کی دلالت معنیٰ پر محل نطق میں نہ ہو، بلکہ اس سے خارج۔تو ایسی دلالت کو مفہوم کہتے ہیں۔

مفہوم۔ صفت۔ موافق۔ مخالف۔ شرط۔ موافقت اولیٰ۔ موافقت مساوی۔ غایت۔ فحوائے خطاب لحن الخطاب۔حصر۔

مفہوم موافق:۔وہ ہے جس کا حکم منطوق کے حکم سے موافق ہو۔

فحوائے خطاب:۔اگر یہ موافقت اولیٰ ہوگی تو فحوائے خطاب ہے۔

لحن الخطاب:۔اگر یہ موافقت مساوی ہوگی تو لحن الخطاب ہے۔

مفہوم مخالف:۔وہ ہے جسکا حکم منطوق کے حکم سے خلاف ہو۔

مفہوم صفت:۔وہ ہے کہ۔وہ صفت نعت ہو یا حال یا ظرف یا عدد ہو ہر ایک کی مثال علی السبیل الترتیب ملاحظہ کریں۔

نعت:۔مثلاً اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔(پارہ ۲۶، سورۂ حجرات)

ترجمہ:۔اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔اسکا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر فاسق نہ ہو تو تبین واجب نہیں۔

حال۔مثلاً وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ۔(پارہ ۲، سورۂ بقرہ)

ترجمہ:۔اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ اسکا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر مسجدوں میں اعتکاف سے نہ ہو تو عورتوں کو ہاتھ لگانا درست ہے (عذر کے علاوہ صورتوں میں)

ظرف:۔مثلاً۔اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (پارہ ۲، سورۂ بقرہ)

ترجمہ:۔حج کے کئی مہینہ ہیں جانے ہوئے تو اسکا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ ان متعینہ مہنوں کے علاوہ حج نہیں ہوسکتا۔

عدد:۔مثلا فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (پارہ ۱۸، سورۂ نور)

ترجمہ:۔ تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اسّی کوڑے سے کم یا زیادہ نہ مارو۔

مفہوم شرط:۔وہ ہے کہ جس میں شرط ہو۔مثلاً وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ (پارہ ۲۸، سورۂ طلاق)

ترجمہ:۔اور اگر حمل والیاں ہوں تو انہیں نان ونفقہ دو۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر حمل والیاں نہ ہوں تو نان ونفقہ نہ دو۔

مفہوم غایت:۔مثلاً فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (پارہ ۲، سورۂ بقرہ)

ترجمہ:۔تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ طلاق مغلظہ والی عورت عدت گذارنے کے بعد نکاح کرکے دوسرے خاوند کے پاس رہے گی تو پہلے خاوند کیلئے حلال ہوگی ۔(بشرائط شتیٰ)

مفہوم حصر:۔مثلاً اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ (پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ)

ترجمہ:۔تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے۔

الحاصل فی الجملہ صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ تمام مفہوم چند شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں حجت بن سکتے ہیں۔(الاتقان)

﴿پہلے تارک نماز کافر تھا اور اب مسلمان ہے﴾

(فقہ حنفی ص ۲۰ تا ۲۱ از مفتی نظام الدین مبارکپوری)

مؤلف کتاب لکھتے ہیں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں قصداً

نماز ترک کرنے والا کافر شمار ہوتا تھا، کیونکہ ان ادوار میں تمام مسلمان نماز پڑھتے تھے اور سوائے کافر کے، قصداً کوئی نماز ترک نہیں کرتا تھا مگر بعد کے ادوار میں مسلمان کا یہ شعار بدل جانے کی وجہ سے حکم کفر باقی نہ رہا لہذا اب تارک نماز کو کافر نہیں شمار کیا جاتا۔

اس پر فتاویٰ رضویہ جلد ۲، ص ۲۰۱ تا ۲۰۲ سے جو حوالہ پیش فرمایا ہے اس پر کلام کرنے سے قبل میں یہ بتادوں کہ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسی ص ۲۰۲ / پر یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مسائل اختلافیہ ائمہ میں حق دائر ہوتا ہے۔ کسی کو یقیناً خطاء پر نہیں کہہ سکتے اور اسی ج ۲ ص ۱۸۸ / پر ہے کہ تارک الصلوٰۃ کا کفر و اسلام، قدیم سے ہمارے آئمہ کرام میں مختلف فیہ ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ جب مختلف فیہ ہے۔ تو پھر مذکورہ عنوان کیوں منتخب کیا گیا، مختلف فیہ ہونے سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جن صحابہ کرام و تابعین عظام نے تمام صحابہ کرام کے تعامل کی وجہ سے حکم کفر لگایا، ان حضرات کا حکم آخر تک باقی رہا۔

اور جن صحابہ کرام نے اسلام کا حکم صادر فرمایا، وہ آج تک باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا، تو پھر اس حکم میں تبدیلی کہاں ہوئی ؟ جو یہ عنوان باندھا گیا کہ پہلے تارک نماز کا فر تھا اور اب مسلمان ہے۔ پھر امام اہل سنت قدس سرہٗ نے اپنی تحقیق انیق پیش فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر چہ تکذیب النبی ﷺ فی بعض ماماجاء بہ من عندربہ جل علیٰ کا نام ہے۔ اور تکذیب، صفت قلب۔ مگر جس طرح اقوال مکفرہ، اس تکذیب پر علامت ہوتے، اور انکی بناء پر حکم کفر دیا جاتا ہے۔ یونہی بعض افعال بھی اس کی امارت اور حکم تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔ جیسے مصحف شریف کو گندگی میں ڈالدینا اور بت کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امثلہ پھر فرمایا کہ یہ حکم اس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفس فعل من حیث ھو ھو مبنائے تکفیر نہیں۔ بلکہ من حیث کونہ علماً علیٰ الجحو دالباطنی والتکذیب القلبی والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ۔ صدر اول میں ترک نماز بمعنیٰ کف بھی کہ حقیقتاً فعل من الا فعال ہے۔ اسی قبیل سے گنا جاتا۔ لہٰذا بہت صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تارک صلوٰۃ کو کافر کہتے۔

آگے چند سطور کے بعد امام اہلسنت نے فرمایا کہ بے شک بہت ظواہر نصوص شرعیہ۔ آیات قرآنیہ، و احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا افضل الصلواۃ والتحیۃ اس مذہب کی مؤید ہے اور اسی جلد دوم کے ص ۱۹۰ پر ارقام فرمایا کہ بالجملہ اس قول کو مذاہب اہل سنت سے کسی طرح خارج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک جم غفیر قدمائے اہل سنت صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے۔ (متذکرہ بالا عبارتوں نے صاف صاف بتادیا کہ تمام صحابہ کرام و تمام تابعین عظام کا ہر گز یہ مذہب نہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے)

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ بلا شبہ وہ اس وقت وحالت کے لحاظ سے ایک بڑا قوی مذہب تھا صدر اول کے بعد جب اسلام میں ضعف آیا اور بعض عوام کے قلب میں سستی و کسل نے جگہ پائی، نماز میں کامل چستی و مستعدی، کہ صدر اول میں مطلقاً ہر مسلمان کا شعار دائم تھی (یعنی شعار قوم مسلم جسے شعار قومی کہتے ہیں جو مرورزمانہ سے حالات کے تحت تغیر و تبدل ہوجاتا ہے) اب بعض لوگوں سے چھوٹ چلی وہ امارت مطلقہ و علامت فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی۔

لہٰذا جمہور آئمہ نے اسی اصل اجماعی مؤید بدلائل قاہرہ، آیات متکاثرہ، و احادیث متواترہ پر عمل واجب جانا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں۔ (یعنی اصل صوری، قول منقول فیہ، پراجماع قائم اور ابتدائے اسلام میں تعامل صحابہ کرام قول ضروری پر دائم اور اسی تعامل کی وجہ سے ان حضرات نے تارک صلوٰۃ پر کفر کا حکم جانا اور قول ضروری کیوجہ سے حکم کفر مانا اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض حضرات کے نزدیک کبھی قول ضروری قول صوری پر مقدم ہوسکتا ہے)۔ (اور جن صحابہ و تابعین نے آغاز اسلام سے ترک نماز کو مرتکب کبیرہ مانا ان کے نزدیک اصل صوری پر عمل تھا اور آج بھی عمل ہے) یہی مذہب ہمارے آئمہ حنفیہ و آئمۂ شافعیہ و آئمۂ مالکیہ اور ایک جماعت ائمۂ حنبلیہ وغیرہم جماہیر علمائے دین و ائمۂ معتمدین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے کہ اگر چہ تارک نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے اس کی رو سے یہ مذہب مہذب حضرات ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا مجمع علیہ ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۲)

خلاصہ : کہ صدر اول میں ایک جم غفیر صحابہ و تابعین کا مسلک یہ تھا کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ لیکن دوسرے بے شمار صحابۂ کرام و تابعین عظام اور ان کے علاوہ ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ حکم یہی ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں۔

تو اس پر امام اہل سنت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اور اس طرف

(تارک صلوۃ کافرنہیں) بحمدللہ نصوص شرعیہ سے وہ دلائل ہیں جن میں اصلاً تاویل کو گنجائش نہیں ۔ بلکہ بخلاف دلائل مذہب اول (یعنی تارک صلوٰۃ کافر ہے) کہ اپنے نظائر کثیرہ کی طرح استحلال واستخفاف وجحود وکفران وفعل مثل فعل کفار وغیرہا تاویلات کو اچھی طرح جگہ دے رہے ہیں یعنی فرضیت نماز کا انکار کرے یا اسے ہلکا یا بےقدر جانے یا اس کا ترک حلال سمجھے تو کافر ہے یا یہ کہ ترک نماز سخت کفران نعمت وناشکری ہے۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ منطوق کلام یا منصوص شرعیہ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ۔ وہی اصل مرام ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش ہے ۔ وہ قول مرجوح ہے ۔ لہذا وہ اصل مذہب نہیں ۔ تو ماننا پڑیگا کہ اصل مذہب مجمع علیہ کے اعتبار سے تارک نماز صدر اول میں بھی مسلمان تھا اور آج بھی مسلمان ہے اور ہمیشہ مسلمان کہلائے گا تو حالات زمانہ کی وجہ سے تغیر و تبدل کہاں ہوا؟ جس کی وجہ سے مولوی نظام الدین کا قائم کردہ عنوان کہ تارک نماز پہلے کافر تھا اور اب مسلمان ہے اسکو صحت کا درجہ دیا جائے۔

﴿شعار وعلامت﴾

شعار اور علامت دونوں ایک ہی چیز ہیں جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے شعائر اللہ ۔ اعلام دینہ ۔ شعار اسلامی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو علامت قربت ہو اور جس کے ذریعہ سے رب تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو ۔ تفسیر خازن میں ہے **کل ماکان معلماً لقربان یتقرب به الیٰ اللّٰه تعالی** شعار دو قسموں پر ہیں ۔ اور دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ایک ہے شعار قومی اور دوسرا ہے شعار مذہبی۔

شعار مذہبی شعار قومی بھی ہوسکتا ہے لیکن ہر شعار قومی کیلئے شعار مذہبی ہونا ضروری نہیں جیسے ہر انسان حیوان ہے لیکن ہر حیوان کیلئے انسان ہونا ضروری نہیں ۔ میں اپنے اس دعویٰ کی تفہیم کیلئے ایک مثال دیتا ہوں مثلاً زنار مشرکین کا مذہبی شعار ہے اور زنار باندھنا قومی شعار ۔ اگر تغیر زمانہ کی وجہ سے کوئی مشرک زنار نہ باندھے اور یہودی اور عیسائی زنار باندھنے لگیں جب بھی زنار مشرکین کا مذہبی شعار ہی رہے گا تمام یہودیوں اور عیسائیوں کے زنار باندھ لینے سے مشرکین کے مذہبی شعار ہونے سے خارج نہیں ہوگا ہاں البتہ یہ کہ سکتے ہیں کہ اب مشرکین کا قومی شعار نہ رہا۔ اسی سے بات سمجھ میں آ گئی کہ حالات زمانہ کی وجہ سے قومی شعار میں تغیر واقع ہوتا ہے لیکن مذہبی شعار ۔ شعار مذہب ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔

اب سنئے ۔ پنج وقتی نماز فرض ہے، ایسے ہی روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے ، حج فرض ہے، یہ مسلمانوں کا مذہبی شعار ہے ۔ ان مذہبی شعاروں پر حالات زمانہ کی وجہ سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوسکتا ، ایسا بھی نہیں ہوسکتا ، کہ فرض متغیر ہوکر واجب ہوجائے ۔ سنتوں میں تبدیل ہوجائے ۔ مباحات کی صورت میں بدل جائے ۔ یا کسی مسلمان کو تاحیات رخصت دیدی جائے ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ ناممکن ومحال ہے۔

اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا ، زکوٰۃ دینا ، حج ادا کرنا ، یہ سب افعال شعار قوم مسلم ہیں ۔ اگر بالفرض بر بنائے فساد زمان تکاہلی وتساہلی کی بناء پر، دنیا کے تمام مسلمان، پنج وقتی نماز، پڑھنا چھوڑ دیں، ایسے ہی روزہ رکھنے سے غفلت برتیں ۔ اور زکوٰۃ دینے سے باز رہیں ۔ اور حج ادا نہ کریں ۔ اور یہودی اور عیسائی وصابی وغیرہم مسلمانوں کے شعار کو اپنا کر ارکان اسلام ادا کرنے لگیں ۔ تو یہی کہا جائیگا کہ مسلمانوں کے شعاروں کو غیروں نے اپنا لیا ۔ جب کہ نماز وروزہ وزکوٰۃ وحج اہل اسلام کا مذہبی شعار ہے ۔ کسی غیر مذہب کے عمل پیرا ہونے سے وہ تمام فرائض دینیہ شعار مذہب اسلام سے ہرگز ہرگز خارج نہیں ہوسکتے۔

اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ حکم شئی دو قسموں پر ہے (۱) بحسب الذات (۲) بحسب الخارج یعنی ایک حکم شئی فی نفسہ اور دوسری قسم امر خارج کی وجہ سے شئی پر حکم لگاتے ہیں ۔ مثلاً پنج وقتی نماز فرض ہے ۔ یہ حکم الشئی فی نفسہ ہے ۔ یہی شعار مذہب اسلام ہے ۔ جس میں قیامت تک تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ۔ ایسے ہی روزہ، زکوٰۃ، حج، فرض ہے ۔ یہ حکم الشئی فی نفسہ ہے اور شعار مذہب اسلام ہے جس میں قیامت تک تغیر وتبدل ناممکن ومحال ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں امام اہل سنت علیہ الرحمہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ۔ **اقول والوجه فيه ان للشئی حكما فی نفسه مع قطع النظر عن الخارج وحكما بالنظر الیٰ ما يعرضهٔ عن خارج .فالاول هو البحث والثانی عليه العمل عن المفاسد ،وان لم يكن انبعاثها عن نفس ذات الشئی كما لا يخفیٰ** ۔ یعنی میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ شئی کے دو حکم ہوتے ہیں ایک فی نفسہ شئی کا حکم ۔ قطع نظر خارج کے ۔ دوسرا خارجی امور کے اعتبار سے۔

اول سے بحث ہوتی ہے دوسرے پر عمل مفاسد سے ہے ۔ اگر

چہ مفاسد کا محرک نفس شئی نہیں ہے۔جیسا کہ مخفی نہیں اور دونوں صورتوں میں امام اعظم ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

اور جن صحابۂ کرام وتابعین عظام نے فرمایا کہ۔تارک نماز کافر ہے۔ان حضرات نے پنج وقتی نمازوں کو ادا کرنا فرض ہے۔ادا کرنا۔یہ فعل من الافعال ہے۔اور شعار قوم مسلم تھا۔یعنی شعار قومی تھا۔شعار مذہبی نہیں۔ان صحابۂ کرام وتابعین عظام نے اپنے اجتہادات سے یہ حکم سمجھا کہ جس طرح منکر فرض صلوٰۃ، کافر ہے۔ایسے ہی تارک صلوٰۃ بھی کافر ہے۔لہذا وہ حضرات خطا کار نہیں بلکہ ماجور ہیں۔

اور جو حکم مجمع علیہ ہے۔یعنی فعل کا تارک کافر نہیں۔بلکہ مرتکب کبیرہ ہے۔وہ اس لئے کہ فعل صلوٰۃ (عمل) شعار مذہبی نہیں۔بلکہ شعار قوم مسلم ہے۔

اب فیصلہ سماعت فرمائیے: جن صحابہ وتابعین نے تارک نماز کو کافر کہا وہ صحابہ وتابعین آج کے دور میں ہوتے۔تو وہ حضرات بھی اصل منقول شرعی جس پر اجماع قائم ہے اسی پر فتویٰ دیتے۔قول ضروری پر نہیں یا یوں کہا جائے کہ۔وہ حضرات صحابہ وتابعین کے نزدیک اصل منقول وہی تھا اور قول ضروری دور حاضر کے مسلمانوں کے حالات ہیں۔تو وہ حضرات بھی عصر حاضر میں یا اپنے بعد کے ادوار میں ہوتے۔تو اسباب ستہ کو مدنظر رکھ کر ہی دفع حرج کیلئے فتویٰ دیتے۔لوفرضنا اگر طویل عمر پاکر بعد کے ادوار میں ارتکاب کبیرہ کا فتویٰ نہ بھی صادر فرماتے۔تو ان حضرات کی مجتہدانہ شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

لیکن جامعہ اشرفیہ کے مفتی صاحب کو دیکھئے۔عنوان منتخب کررہے ہیں کہ پہلے تارک نماز کافر تھا اور اب مسلمان ہے (معاذ اللہ صد ہزار بار معاذ اللہ) کیا یہ عنوان میزان شریعت پر جچا تلا ہے؟ اس پر اہل بصیرت غور فرمائینگے۔مفتی نظام الدین صاحب نے امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی جس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔وہ عبارت یہ ہے زمانۂ سلف صالح خصوصا صدر اول کے مناسب یہی حکم تھا۔اس زمانہ میں ترک صلوۃ علامت کفر تھا۔کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے۔جیسے اب زنار باندھنا قشقہ لگانا علامت کفر ہے۔جب وہ زمانۂ خیر گذر گیا۔اور لوگوں میں تہاون آیا۔وہ علامت ہونا جاتا رہا۔اور اصل حکم نے عود کیا۔کہ ترک نماز فی نفسہ کفر نہیں۔جب تک اسے ہلکا یا حلال نہ جانے۔یا فرضیت نماز سے منکر ہو۔یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔اور اس ذکر کردہ عبارت پر (ج) کے تحت مفتی صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے۔سماعت کیجئے۔اسی کے ساتھ ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ شعار مذہبی بھی بدل سکتا ہے۔کیونکہ عہد رسالت وعہد صحابہ میں۔ترک نماز کفار کا مذہبی شعار تھا۔جیسے زنار وقشقہ انکا مذہبی شعار ہے مگر وہ شعار بدل گیا۔لہذا شعار قومی اور شعار مذہبی میں اس حیثیت سے فرق نہیں کرنا چاہئیے۔(فقہ حنفی ص ۲۱ر)

میں مفتی صاحب سے عرض کرونگا کہ میرے نزدیک آپ کے فہم میں خطا ہے کیونکہ امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ۔اس زمانہ میں ترک نماز علامت کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے یعنی جو کھلا کافر ہوتا وہی نماز نہیں پڑھتا تھا۔یعنی ترک نماز کفار کا شعار قومی تھا کیونکہ نماز مسلمانوں کا شعار مذہبی ہے نہ کہ کفار کا شعار مذہبی۔لہٰذا اگر کوئی ترک نماز کو کفار کا شعار مذہبی مانے تو عبث ہے اسلئے کہ نماز کفار کا شعار مذہبی ہو ہی نہیں سکتا۔کیونکہ اس کے مذہب کی علامات سے نہیں ہے۔تو ترک نماز بھی کفار کا شعار مذہبی نہیں ہوسکتا (فتامل) مفتی صاحب نے ترک نماز کفار کا مذہبی شعار تھا۔کہا۔اور مثال زنار وقشقہ ان کا مذہبی شعار ہے۔سے دی۔اہل علم یہیں پر سمجھ سکتے ہیں کہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ترک۔فعل ہے۔زنار وقشقہ فعل نہیں،ہاں زنار باندھنا،قشقہ لگانا یہ فعل ہے اور فعل کو تصدیق قلبی پر قیاس کرنا۔کسی صورت،میں درست نہیں ہے۔

اور امام اہل سنت نے جو فرمایا کہ زنار باندھنا۔یا قشقہ لگانا علامت کفر ہے۔تو یہ کفار کا شعار مذہبی بھی ہے اور شعار قومی بھی ہے اور ایسے ہی مسلمانوں کا نماز پڑھنا وغیرہ شعار مذہبی بھی ہے اور شعار قومی بھی ہے۔شعار قومی تو بدل سکتا ہے لیکن شعار مذہبی نہیں بدل سکتا۔جس کی تشریح میری ماسبق تحریر میں آپ لوگوں نے ملاحظہ فرمالیا۔

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے مفتی نظام الدین فقہ حنفی کتاب کے ص ۹ر پر تحریر کرتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ اور ائمہ مذاہب کے) اقوال دو طرح ہے۔صوری اور ضروری،اس کے بعد فتاویٰ رضویہ سے جتنی عبارت نقل فرمائی ہے ناقل صاحب نے نقل کرتے وقت اس بات کا خیال ہی نہ رکھا۔کہ نقل کے بعد ہم خود بہت سے مسائل میں پھنس جائینگے جس بھنور سے نکلنا ممتنع ہوجائے گا،مفتی نظام الدین صاحب نے جس عبارت

کونقل کیا ہے۔ میں بعینہ نقل کرتا ہوں۔اور برائیکٹ کے درمیان اپنی بات پیش کرکے "کونوا مع الصادقین" کے مصادیق کی بارگاہوں میں فریاد کرونگا کہ میں حق کہہ رہا ہوں یا غلط؟۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ۔صوری تو قول منقول ہے۔(یعنی نبی کریم ﷺ اور ائمہ مذاہب سے جو مسائل منقول ہیں)اور ضروری وہ قول ہے۔جس کی صراحت قائل نے خاص طور پر نہ کی ہو۔البتہ ایسے عموم کے ضمن میں اسے بیان کردیا ہو جو بدیہی طور پر اس بات کا حکم لگائے کہ اگر قائل اس خاص مسئلہ میں کلام کرتے تو ضرور ایسا ہی فرماتے مثلاً مسلم شریف جلد۱/ص۲۴۵/کے حاشیہ میں کشتی پر نماز کے جواز کے متعلق واضح لفظوں میں ہے۔**فانها تصح الفريضة بالاجماع**۔تو صرف کشتی ہی مراد نہیں بلکہ پانی پر تیرنے والی تمام اشیاء مراد ہیں اگرچہ قول منقول صرف سفینہ یعنی کشتی ہے۔لیکن قول ضروری میں اسٹیمر پانی جہاز وغیرہ بدیہی طور پر فہم میں آگیا۔ایسے ہی مسلم شریف ج۱/ص۲۴۴/کے حاشیہ میں ہے۔**فیہ دلیل علیٰ ان المکتوبة لا تجوز الیٰ غیر القبلة ولا علیٰ الدابة هذا مجمع علیه** تو ائمہ اربعہ نے اپنے دور کے لحاظ سے خشکی پر رینگنے والی چیزوں میں دابہّ کا ذکر صراحۃً فرمایا لیکن ایسے عموم کے ضمن میں اسے بیان کردیا یعنی خشکی پر رینگنے والی چیزیں،تو بدیہی طور پر ریل گاڑی بس وغیرہ کا حکم بھی خاص طور پر سمجھ میں آگیا۔یہ ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ کی مرأۃ التفقہ،جس مرأت کو اہل نظر حضرات روبرو رکھ کر نوپید مسائل کو میزان شریعت پر پرکھتے ہیں اور قول ضروری پر حکم شرع صادر فرماتے ہیں۔

اور امام اہل سنت قدس سرہٗ نے قول صوری اور ضروری سے متعلق ایک عام فہم مثال دی ہے۔کہ جیسے زید ایک نیک انسان تھا،اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں اسکی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار انہیں اس بات کی ہدایت کی۔اور وہ پہلے ان سے یہ بھی کہہ چکا تھا،کہ تم لوگ ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے بچتے رہنا(یہ زید کا قول منقول ہے جسے صوری سے تعبیر کیا جاتا ہے)اس کے بعد امام اہل سنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

پھر ایک زمانہ کے بعد زید فاسق معلن ہوگیا۔تو اگر اب بھی عمرو کے خادم اس کے حکم اور اسکی بار بار کی ہدایت پر عمل پیرا رہ کر زید کی تعظیم و توقیر کریں تو وہ ضرور نافرمان قرار پائینگے(شریعت مطہرہ کی روشنی میں)اور اگر اسکی تعظیم چھوڑ دیں تو اطاعت شعار ہونگے(شریعت مطہرہ کی روشنی میں)تو پھر ایک زمانہ کے بعد سے آخر تک۔قول ضروری کی مثال ہے،جس کی صراحت قائل زید نے خاص طور پر نہ کی تھی۔لیکن عموم کے ضمن میں صراحت کردیا تھا کہ۔تم لوگ ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے بچتے رہنا اب اسکا مخدوم و مالک مجازی خود ہی فاسق ہوگیا تو یہ حکم اسپر بھی نافذ ہوگا اور تعظیم کریگا تو گنہگار ہوگا یہ قول ضروری کا واضح مفہوم ہے۔

(۱) قول صوری،یعنی قول منقول صریح پر فتویٰ دینا،درحقیقت عزیمت پر فتویٰ دینا ہے۔امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہٗ نے کوٹ پتلون اور انگریزی ملبوسات کے تعلق سے جو فتویٰ صادر فرمایا ہے۔انکے عصر میں قول منقول پر ہی فتویٰ دینا ضروری تھا۔کیوں کہ ان کے زمانے میں خال خال ہی انگریزی ملبوسات پہن کر کوئی آدمی نماز پڑھنے کی جرأت کرتا تھا۔عوام الناس خود اسے مکروہ اور گناہ سمجھتے تھے۔

(۲) قول ضروری یعنی قول منقول غیر صریح۔جو اسباب ستہّ میں محصور ہے۔تعامل ناس کی وجہ سے حاجت متحقق ہوگئی اسلیئے سیدی مرشدنا الاعظم حضور مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ نے کوٹ پتلون اور انگریزی ملبوسات کے تعلق سے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا اگر جواز وخلاف اولیٰ کا حکم صادر نہ فرماتے۔تو لوگ حرج عظیم میں مبتلا ہو جاتے۔والحرج مدفوع۔اہل علم وبصیرت بخوبی واقف ہیں۔کہ دونوں ہی صورتوں میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہی فتویٰ ہوا۔

﴿عہد صحابہ میں تارکِ جماعت منافق تھا،اب نہیں﴾

(فقہ حنفی ص۲۱ تا ۲۳/از مفتی نظام الدین مبارکپوری)

مفتیٔ اشرفیہ نظام الدین صاحب نے اپنی کتاب"فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت"میں مذکورہ عنوان منتخب کر کے تبدیلیٔ حکم پر بھی گلکاریاں فرمائی ہے۔اسے سماعت کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ۔نفاق کا مفہوم کیا ہے؟نفاق کسے کہتے ہیں؟اور نفاق کی کتنی قسمیں ہیں؟نفاق کا مفہوم یہ ہے کہ۔ظاہر میں کچھ ہو،اور باطن میں کچھ اور۔یعنی ظاہر کا باطن مخالف ہو۔مثلاً ظاہر میں مسلک اعلیٰ حضرت کا حامل،اور باطن میں ظفرادیبی کے عندیہ کا قائل۔یہ نفاق ہے اسی کو نفاق کہتے ہیں۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں۔(۱)نفاق اعتقادی(۲)نفاق عملی۔

بخاری شریف ص۱۰/کے حاشیہ نمبر۲/میں ہے۔**النفاق لغة .مخالفة الباطن للظاهر،فان كان في الاعتقاد فهو نفاق الكفر . و الا فهو نفاق العمل** (تلخیص فتح الباری) خلاصۂ کلام یہ

ہے۔کہ نفاق اعتقادی کا مرتکب کافر ہے۔اور نفاق عملی کا مرتکب کافر نہیں۔بلکہ فاسق ہے۔

توضیح:۔نفاق اعتقادی کا مفہوم یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھے۔اور ظاہری طور پر اسلام کے ارکان بھی ادا کرے۔اور دل سے بما جاء النبی الکریم ﷺ کی تصدیق نہ کرے۔بلکہ اپنے کفر پر قائم رہے۔اسی کو عہد رسالت پناہی اور عہد صحابہ کرام میں منافق کہا گیا ہے۔یعنی ''عرف'' منافق کہنے کا نفاق اعتقادی پر محمول تھا۔اور اس کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں تھا۔اور ارشاد ربانی **و من الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ و بالیوم الا خر وما ھم بمومنین** میں اعتقادی منافقین کا ذکر ہے۔اور انہیں منافقین کو مسجد نبوی شریف سے رسول کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے **فاخرج فانک منافق** کہ کر باہر نکالا تھا۔جیسے عبداللہ ابن ابی وغیرہ۔اور انہیں اعتقادی منافقین کے بارے میں صحیح مسلم شریف جلد ر۱،ص ر۲۳۲ پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ **لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ الی اخر الحدیث** یعنی ہمارا مشاہدہ ہے کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر کھلا منافق۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ منافق اعتقادی مراد ہے۔

مشکوۃ المصابیح باب الکبائر وعلامات النفاق ص ۱۸ رمیں حدیث پاک ہے۔ **وعن حذیفۃ قال انما النفاق کان علیٰ عہد رسول اللّٰہ ﷺ فاما الیوم فانما ھو الکفر او الایمان روا ہ البخاری.** یعنی حضرت حذیفہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ،نفاق رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا،لیکن آج صرف کفر ہے یا ایمان۔امام بخاری نے اس کو روایت کیا۔جس حدیث کا مطلب یہی ہے۔کہ آج منافق اعتقادی نہیں ہے،جیسا کہ لمعات و مرقات وغیرہ میں بھی اسکی صراحت موجود ہے۔اور جن لوگوں میں منافق کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔وہ منافق عملی ہے۔وہ آج بھی موجود ہے۔جیسے کسی آدمی کا جھوٹ بولنا۔یہ علامت نفاق سے ہے۔اس کے مرتکب کو منافق عملی کہتے ہیں اور مفتیوں کی زبان میں وہ فاسق ہے،کافر نہیں۔فتاویٰ رضویہ جلد ر۳،ص ر ۳۸۴ پر بھی مسلم شریف کی حدیث توضیح بلیغ کے ساتھ مثبت ہے۔

مگر مفتی نظام الدین کا یہ کہنا کہ مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت یہ عادت تبدیل ہوگئی۔اور اب تو بے شمار مسلمان بغیر عذر و بیماری کے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔اس لئے اب جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کو منافق نہیں کہا جاسکتا گو کہ عہد صحابہ میں وہ منافق ہوا کرتا تھا۔

اس پر عرض ہے کہ اب جب کہ منافق اعتقادی کا وجود ہی نہیں۔جیسا کہ۔حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا۔تو جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کو منافق کیوں کہا جائیگا؟

جب شئ ہی معدوم ہے تو صدر مفتی جامعہ اشرفیہ کا یہ فرمانا کہ، مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت یہ عادت تبدیل ہوگئی۔چہ معنیٰ دارد؟ مجھے حیرت ہے صدر مفتی پر کہ جب وجود ہی عنقاء کی طرح مفقود۔تو کیا چھپڑ پھاڑ کر تبدیلی حکم کا وجود جنم لے گا۔پھر کیا وجہ ہے کہ۔عہد صحابہ میں تارک جماعت منافق تھا،اب نہیں۔ایسا غلط عنوان منتخب کیا گیا۔

فتاویٰ رضویہ ہی نہیں، بلکہ جملہ فتاویٰ کی کتابوں میں وہی ہے ۔جو فتاویٰ رضویہ میں ہے۔کہ ترک جماعت اور ترک حاضری مسجد کا عادی (بلا عذر صحیح) فاسق ہے،اور فاسق قابل اتباع نہیں۔

اسی عنوان کے آخر میں مفتی صاحب اپنا ریمارک پیش فرماتے ہیں کہ۔یہ حکم عہد صحابہ کا ہے جو حالات کے بدلنے سے یقیناً بدل چکا ہے۔ حالانکہ یہاں کوئی حکم بدلا ہی نہیں ہے۔کیونکہ عہد صحابہ ہی میں منافق اعتقادی کا وجود ناپید ہوگیا اور اسی فتویٰ کے تعلق سے آگے لکھتے ہیں اور اس سے بھی وہ امور بہت واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں۔جو فتاویٰ رضویہ کے اول الذکر فتوے (یعنی یہی فاسق والافتویٰ) سے ثابت ہوتے ہیں۔فرق صرف کفر و نفاق کا ہے۔مگر جب منافق کا نفاق بین اور کھلا ہوا ہو۔تو وہ بھی کافر مجاہر کی طرح ہوجاتا ہے۔اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ وہ بھی کافر ہی ہے۔ان جملوں سے مفتی نظام الدین کیا کہنا چاہتے ہیں۔یہ وہی بتا سکتے ہیں۔مگر دوسرے تمام فتووں کو چھوڑ کر اس فتوے کو نقل کرنے میں ممکن ہے خاص مصلحت رہی ہو فتاویٰ رضویہ جلد ر۳،ص ۳۷۹ر۳۸۰۔

(باقی آئیندہ) ☆☆☆

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑرہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

حکام سعودی بشکل یہودی
ایک حقیقت

(سعودی، نجدی، وہابی اور یہودی، اسرائیلی، صہیونی غلاموں کے نام اہل حق کا ایک مختصر پیغام)

تجزیہ : محمد عبدالقادر قادری حبیبی بدری، رائچور

باسمہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمة الله وبرکاته. قارئین کرام۔!

پوری دنیا کو یہ معلوم ہے کہ مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت مرکزی طور پر سرزمین عرب شریف سے ہوئی جسے حجاز مقدس بھی کہا جاتا ہے اور چند فتنہ گر لوگوں کی وجہ سے جسے آج کل سعودی عرب کے نام سے جانا جارہا ہے، جہاں کے نام نہاد نجدی، وہابی وسعودی دینی خادمین، اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے مبلغ، محرک اور ناشر سمجھے جاتے ہیں۔ عرب شریف کی اپنی تاریخی مرکزیت کی بناء پر آج بھی سادہ لوح مسلمان ہر معاملہ میں حرمین شریفین پر بالکلیہ اور پر امیدی کے ساتھ نظر جمائے اس بھرم اور امید کا اظہار کرتے ہیں کہ وہاں سے جو بھی خبریں اور احکام اسلام اور مسلمانو ں کے متعلق آئیں گیں وہ یقیناً سو فیصد (100%) صحیح و جامع اور بر بناء احکام شرع مصطفوی علیہ السلام دی جاتی ہیں مگر اب پوری دنیا کے سامنے ان نام نہاد مسلم قائدین اور ذمہ داروں کے مسلمانوں کے بارے میں جن عظیم افکار و خیالات اور ایک بہترین اسلامی عملی ڈھانچہ کا تیقن اور مسلمانوں کے متعلق ہر ہنگامی صورت حال کو نمٹنے کیلئے ایک مستقل نظام کو رائج کرنا چاہئے تھا اسکے برخلاف جو حقیقتیں سامنے آرہی ہیں ان اطلاعات سے ایسا صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حرمین شریفین کے خادمین خود حرمین خدا ورسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم)، اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے ہر ممکن اور پوری کوششوں کے ساتھ اس کار بدانجام میں لگے ہوئے ہیں اور عالم اسلام تو پہلے ہی سے ان گستاخان خدا ورسول و اہل بیت و صحابۂ کرام و بزرگان دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بارگاہوں اور اس مقدس سرزمین کی ہزار ہا اقسام میں کی گئی بدترین گستاخیوں، غیر شرعی اور اسلام دشمن حرکات سے اظہر من الشمس کی طرح واقف ہیں اور ان ناعاقبت اندیشوں کی ایسی حرکات مستقل جاری و ساری ہیں جو آئے دن مشاہدے میں آتی رہتی ہیں۔

اور اسی کی ایک کڑی ایک لمبے عرصے سے جاری فلسطین-اسرائیل میں جاری سالہا سالوں سے چلی آرہی نہایت اہم جنگ حق و باطل سے ہے جو تقریباً ایک ماہ کے عرصے سے طول پکڑے ہوئے ہے جسکے متعلق حکومت سعودیہ بجائے امت کی رہنمائی کے، ضلالت اور بے دینی کا جس انداز سے مظاہرہ کررہی ہے اسکے بارے میں ایک عام بندۂ مومن اپنے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ وہ سرزمین فلسطین جو کئی انبیاء کرام و صالحین امت کی زندگیوں کا ماحصل اور جہاں قبلۂ اول یعنی بیت المقدس قائم ہے، ایسی مقدس و عظیم ترین جگہ جہاں ہر دن وہاں کے اہل ایمان یعنی مسلمانوں پر ناقابل ذکر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور جہاں قبلۂ اول دشمنان اسلام یعنی یہودی، صیہونی اور اسرائیلیوں کی نگاہ کا کانٹا بنا ہوا ہے اور جو ایک لمبے عرصے سے کسی نہ کسی صورت ان کفار و مشرکین کے زیر قبضہ ہے اور جہاں ایمان والوں کا اپنی زندگیوں کا پر امن و محفوظ اطوار پر گزارنا تقریباً ناممکن ہے اور جہاں پر حالیہ ایام سے جاری مسلم کش تحریک جسمیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں بے قصور اور معصوم جانوں کو ناحق شہید کیا جارہا ہے وہ اس راقم الحروف فقیر قادری کی تحریر سے قاصر ہیں۔

ایسے وقت جبکہ دنیا دور اعلیٰ ترین ترقی میں قدم رکھ چکی ہے اور جیسا کہ قارئین کرام اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا کا کوئی خطہ اور گوشہ ایسا نہیں جسکے متعلق انسان چند لمحوں کے اندر ساری تفصیلات حاصل نہ کرلے۔ یہ دور کمپیوٹر (Computer) اور انفارمیشن ٹیکنالوجی (Information Technology) کے بلند ترین افلاک کو پہنچ چکا ہے اور ساری دنیا صرف ایک عالمی قریہ (Global Village) بن چکی ہے اور کائنات کی کسی بھی خبر کو اعشاریۂ لمحہ کے اندر (within the fraction of seconds) حاصل کیا

جاسکتا ہے۔اور اس اہم سائنسی و ٹیکنالوجیکل دور میں صحافت یعنی میڈیا(پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا) (Print & Electronic Media) جو کردار ادا کر رہا ہے اس سے کسی بھی اہل علم کو ذرہ برابر بھی انکار نہیں۔اور یہ ایک بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ساری دنیا میں یہودی، صہیونی اور اسرائیلیوں کی تعداد مختصراً ہونے کے باوجود بھی دنیا کا ہر شعبہ انہی ظالمان امت کے ناپاک قبضے میں ہے۔انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے تقریباً ہر شعبے میں انہی کی سوچ اور فکر کارگر اور فعال ہے اور ان تمام شعبہ جات میں انکے برسراقتدار ہونے کا جو مقصد سامنے آتا ہے وہ درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی تباہی اور انکا صفحۂ ہستی سے بالکلیہ خاتمہ کرنا ہے(معاذ اللہ)۔انہی ناپاک مقاصد فاسدہ کو حاصل کرنے کیلئے ان یہود و نصاریٰ نے اپنی ساری قوتوں اور کوششوں کو صرف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور جسکا اثر جابجا مختلف گوشہائے زندگی میں محسوس و غیر محسوس طریقے سے نظر آتا ہے۔

یہی وہ ملعون میڈیا جو آج یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ آزاد خیال ہے اور کسی ایک قوم یا سوچ کا حامی نہیں ہے اور سوائے صحیح اور جو حق بجانب خبروں کے شائع کرنے کے اور کچھ نہیں کرتا تو میرا ان میڈیا والوں سے یہ سوال ہے کہ واقعی اگر تم اپنی بات پر قائم ہو اور فرقہ پرستی کے خلاف ہو اور کسی ایک مخصوص قوم کیلئے کام نہیں کرتے تو پھر تم میڈیا والوں کو فلسطین کے مسلم معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں کی تکلیف اور ان پر کیئے جانے والے ہزارہا ظلم و ستم نظر نہیں آرہے ہیں؟ کیا فلسطین کے مسلم باشندگان انسان نہیں؟ اور کیا انہیں جینے کا کوئی حق نہیں؟ اور کیا تم کو ان مظلوموں کی آہ و بکاہیں سنائی نہیں دیتیں؟ تو ان میڈیا والوں سے اسکا جواب کا نہ ملنا یہ بتا رہا ہے کہ ہم بھی یہودی، صہیونی اور اسرائیلی زاویۂ فکر و سوچ پر منحصر ہیں اور ہم انہی کے غلام ہیں۔جو ہمارے آقایان و مالکان ہمیں خبریں دیتے ہیں، انہیں خبروں کو ہم شائع کرتے ہیں چہ جائے کہ جن خبروں اور حقائق کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلمانوں سے ہے وہ کبھی منظر عام پر نہ آسکیں گیں کیونکہ ہم اپنے یہودی، صہیونی اور اسرائیلی مربیان کے پروردہ ہیں۔تو قارئین کرام انہیں وجوہات خبیثہ کی بناء پر اس اہم ترین انسانیت سوز خبر سے لوگوں کو باخبر نہیں کرایا جا رہا ہے اور میڈیا اپنے متعینہ منزل یعنی تنزل مسلم کی خبروں کو شائع کرنا اپنا سب سے اہم فریضہ سمجھتی ہے اور اسی پر آج بھی گامزن ہے۔تو یہ رہا کچھ مختصر تعارف اس صہیونی بنیادوں پر چلنے والے میڈیا کا جو آج بھی امت مسلمہ کو ایک بڑے خطرناک اژدہے کی شکل میں ڈس اور نگل رہا ہے اور جس سے ایک فیصد بھی مسلمانوں کی حمایت کی امید رکھنا خود امید کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

آیئے ہم اپنے مرکزی بات پر آتے ہیں جو کہ ہے ان نجدی، وہابی اور سعودی حکام کی مسلمانوں سے دھوکہ اور دغابازیوں کے متعلق ۔بات یہ چل رہی تھی کہ سعودی حکام بجائے مسلمانوں کی حمایت اور انکی ہرممکنہ مدد کیلئے اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھانے کے، الٹا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کسی لمحہ تامل نہیں کرتے جسکا ثبوت یہ ہے کہ چند ایام پہلے اسی سعودی نجدی وہابی خاندان سے تعلق رکھنے والے علم کے ٹھیکہ دار اور نام نہاد مفتیٔ اعظم سعودی عرب، عبدالعزیز الشیخ نے یہ بیان دیا تھا کہ فلسطین کے مسلمانوں پر اسرائیل کے طرف سے کیئے جانے والے حملے صحیح اور جائز اور وہ بھی بقول اس سعودی مفتی کے دین اسلام کی رو سے کارثواب ہیں ،(معاذ اللہ)۔یہی سعودی مفتی کہتا ہے کہ فلسطین پر اسرائیل کی جان لیوا کروائی کوئی غلط کام نہیں بلکہ یہ اللہ کے نزدیک بڑا جہاد ہے،(معاذ اللہ)۔اور مسلمانوں کو فلسطین کی حمایت نہیں کرنی چاہیئے اور اسرائیل کا ساتھ دینا اور انکی مخالفت چھوڑ دینی چاہیئے۔جسکا ثبوت ان مندرجہ ذیل ویب سائٹس پر بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ www.almadenahnews.com اور www.raialyoum.com۔تو دوسری جانب دنیائے اسلام کا مرکز کہے جانے والے حرمین شریفین کا نام نہاد اور سب سے بڑا خادم اور اسی گستاخ سعودی خاندان سے تعلق رکھنے والا سعودی بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کہتا ہے کہ اسرائیل کا فلسطین پر حملہ کرنا کوئی غلط امر نہیں ہے اور اسرائیل صحیح ہے اور فلسطین غلط۔شاہ سعود عبداللہ کہتا ہے کہ غزہ کی عوام کے قتل عام کا ذمہ دار صرف اور صرف حماس ہے کیونکہ انہوں نے اسرائیلی فوجیوں کو مارا ہے جنکو مارنا اللہ کے نزدیک حرام ہے۔شاہ سعود کے مطابق اسرائیل کا حماس اور غزہ پر حملہ کرنا جائز ہے اور اس نے حماس اور القسم کے فوجیوں کو دہشت گرد قرار دیا۔شاہ سعود عبداللہ نے یہ بھی اقرار کیا کہ اس نے تاحال اسرائیل کو غزہ اور عراق پر کیئے جانے والے حملوں کی مذمت بھی

نہیں کی کیونکہ شاہ سعود کے مطابق اسرائیل کی ان مسلمانوں پر کئے جانے والی کروائیاں صحیح ودرست ہیں۔ معاذ اللہ اسی طرح کئی نا قابل ذکر اور غیر شرعی باتیں کہی گئیں ہیں جو یہ صاف ظاہر کرتی ہیں کہ یہ سعودی حکام اور انکے جھوٹے علمی ٹھیکہ دار درحقیقت یہودی اور صہیونی ایجنٹ اور انکے پالتو کتّے ہیں۔اس بدبخت سعودی حاکم کے مذکورہ بالا بیانات مندرجہ ذیل ویب سائٹس پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

www.timesofisrael.com اور

www.miamiherald.com اور

www.breitbart.com۔ فلسطین کے غزہ پٹی پر کئے جانے والے جاریہ مسلم کش اور انسانیت سوز حملوں اور دہشت گردی کی جہاں پوری دنیا بھر میں ہر ممکن مخالفت اور مذمت کی جارہی ہیں جسمیں مسلم عوام کے شانہ بہ شانہ دیگر غیر مذاہب کے لوگ بھی اب سرعام اسرائیل کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اور ان مظلوم فلسطینی مسلمانوں کیلئے اپنی انسانیت اور ہمدردی کا جو مظاہرہ کررہے ہیں وہ یقیناً قابل صد تحسین ہے اور ساتھ ہی ان مظلوموں کے تئیں ہر ممکنہ مدد اور حمایت کی کوششوں میں ہر طریقہ معاونت کا مظاہرہ فرمارہے ہیں وہیں دوسری جانب ان نام نہاد اسلام اور مسلمانوں کے خادمین ان حقیقی دشمنان اسلام کی حمایت اور خیر خواہی وچاپلوسی اور اندھی دھن تقلید کے راگ الاپ رہے ہیں جس نے ساری دنیا بالخصوص عالم اسلام کو حیرت اور سکتہ میں ڈال دیا ہے اور جس سے ابھی بھی حاملین وخیر خواہان حکومت سعودیہ کی آنکھوں پر بے جا حمایت کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور جو کہ عالم اسلام کیلئے ایک زہریلے عناصر ثابت ہوسکتے ہیں۔

اے اپنے ماتھے اور دل دونوں کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے والے دنیا کے وہ مسلمانوں جو سعودیوں اور انکے حامیین اور خیر خواہ ہیں، اب تو اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ جن کو تم خدام حرمین شریفین کہتے ہو اور جن کو اسلام کا سچا اور مرکزی خادم اور ناشر سمجھتے ہو وہ دراصل یہودی وصہیونی ایجنٹ ہیں جو دنیا کے سامنے تو مسلمان بنے پھرتے ہیں پر دراصل ہیں امریکی، اسرائیلی، تنظیم اقوام متحدہ، صہیونی اور سلفی بھیڑیے اور پالتو کتّے کہ ایسے درندوں کو حرمین طیبین میں رہتے ہوئے بھی ہدایت اور نور حق حاصل نہیں ہوا اور انکی تادم زیست حاصل نہیں ہوگا کیونکہ غداران خدا ورسول (جل وعلاو ﷺ) کو کبھی ہدایت حاصل نہیں ہوتی تاوقت یہ کہ مولا تعالیٰ اپنے کرم سے انہیں ہدایت پر لائے۔تو اے سعودی، نجدی، وہابی، یہودی، صہیونی اور اسرائیلی غلاموں، یہ سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عدل ہے، عدل ہے، عدل ہے اور مولا تعالیٰ برابر باخبر اور دیکھ رہا ہے کہ ان ظالمین کا ظلم کس حد کو پہنچتا ہے اور جب وہ عدل اور فیصلہ کرنے پر آجائے تو بس دیکھنا تم اور تمہاری نسلیں اگر باقی رہیں تو وہ بھی دیکھیں گیں کہ اس پیارے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے رب کا عدل اور بدلہ کیسا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں دعا ہے کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب مکرم علیہ السلام و جملہ محبوبین بارگاہ ایزدی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طفیل ان تمام مظلوم فلسطینیوں، عراقیوں، شامیوں، ہندوستانیوں ودیگر مسلمانوں کی مدد فرمائے جن پر بے انتہا ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور ان دشمنان اسلام کو ہلاک و برباد فرمائے جو مسلمانوں کی اذیت رسائی میں لگے ہوئے ہیں اور ان بدبخت سعودی، نجدی، وہابی ودیگر نام نہاد مسلم حکمرانوں کو راہ حق کی طرف گامزن فرمائے اور انہیں رجوع الی الحق ہونے کی توفیق بخشے،

آمین یا رب العلمین بجاہ امام الانبیاء والمرسلین ومحبوب رب العلمین علیه اکمل الصلاۃ و افضل التسلیم وبعزۃ امام الاولیاء والمتقین والباز الاشهب السیدنا الغوثنا الاعظم علیه الرحمة والرضوان۔

فقط والسلام مع الاکرام: سگ بغداد معلیٰ

فقیر احقر محمد عبدالقادر قادری حبیبی بدری (**غفرله ولوالدیه**)

رائچور، کرناٹک، الہند۔

المرقوم: ۱۱۔شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ بمطابق: ۰۸۔اگست ۲۰۱۴ء

☆☆☆

فاضل بریلوی کا نام لینے والوں پر ان کا حق اور فرض ہے کہ وہ خاص طور پر اتباع سنت کے بارے میں انہیں صدق دل سے اپنا رہنما بنا کر اپنی کوتاہیاں دور کریں۔

من آنچہ شرط بلا داغ است باتو گویم
تو خواہ از سخنم پند گیرد خواہ ملال

مولانا ڈاکٹر سید محمد فاروق القادری (پاکستان)
(بشکریہ: انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر ۲۰۰۲ء)

گستاخی بھری دل آزار فلم

علی حسین ہاشمی، دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی (کیرلا)

بتلا دو گستاخ نبی کو غیرت مسلم زندہ ہے
دین پہ مرمٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

گستاخیوں کا سلسلہ جسے میڈیا کے ذریعے دنیا میں ہوا دی جارہی ہے کوئی نئی بات نہیں۔ سابقہ تمام تواریخ کا مطالعہ کریں حقیقت نمایاں ہوتی ہوئی نظر آئے گی۔ فکر وعمل کے توسط سے ہر وہ کوشش میں سرگرداں ہیں جس سے قرآن اور صاحب قرآن پر آنچ آئے اور آزاری ء مسلم کا موقع ملے۔ اگر آپ مستشرقین کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے جنہوں نے اسلام کی شبیہہ بگاڑنے میں اہم رول ادا کیا ہے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مکمل طور پر کئی سو سال سے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ پیغمبر اعظم کی مقدس حیات طیبہ، اخلاق کریمانہ، ازدواجی زندگی، اہل بیت ،اصحاب، اسلام وقرآن وشعائر اسلام کے خلاف ایسی بے ہودہ باتیں کہہ دی جائیں جنکی نہ تو تاریخی حیثیت ہو نہ حقیقت سے دور کا رشتہ۔ جس سے عوام الناس کو ایسے دلدل میں پھنسا کر رکھا جائے اور احساسات وجذبات سے اس قدر کھیلا جائے تاکہ حق سے انحراف کر کے جھوٹ کو سچ ثابت کیا جائے اور لوگوں کے قلوب واذہان صحیح رائے اور سچ بات پر اتفاق قائم نہ کر سکیں۔ صدیوں سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے فرق صرف انداز کا ہے کہ رفتار زمانہ کے لحاظ سے طریقہء کار میں تبدیلی لائی گئی ہے۔

اس حقیقت کے وہ بھی معترف ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کی محبت مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہء افتخار اور مستحکم قوت ہے۔ قوم مسلم اپنے آپ کو ہر حال میں دیکھنا گوارہ کر سکتی ہے۔ مگر اپنی عزت وعظمت ،اپنا سرمایہ، اپنا سب کچھ رسول گرامی وقار ﷺ کی ذات پاک پر آنچ آئے یہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتی۔

دراصل یہ جو بنام تہذیبوں کے ٹکراؤ ایک مستقل جنگ چھڑ گئی ہے وہ موجودہ دور کے کچھ ناسوتی دماغ سے جنم لینے والے افکار وعملیات کے کرتوت کا نتیجہ ہے۔ وقتاً فوقتاً گستاخی کرنے میں مختلف انداز اور طریقہء کار اپنانا، کبھی کارٹون کی شکل میں، کبھی فلم کے ذریعے، کبھی سلمان رشدی کی کتابوں کے ذریعے، کبھی تعدد ازواج مطہرات مامسئلہ کبھی کچھ کبھی کچھ غرضکہ مختلف طریقہء کار اپنانا دراصل ایک جنگ ہے جو باظابطہ ذہنی اور فکری طور پر منصوبہ بندی کے ساتھ کی جارہی ہے اور ممکن ہے کہ اس طرح کی کئی ایک چھوٹی جنگیں مستقبل کے سانحہء عظیم کا پیش خیمہ ہو جس بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ کبھی ختم ہو۔

تاریخ کے اوراق گردانی سے یہ بات پتہ چلے گی کہ بارہا صاحب نبوی ﷺ کی روشنی مدھم کرنے اور الفت محمدی ﷺ کے مقدار کو ناپنے کی کئی ایک ناممکن کوشش کی گئی ہے۔ واقعہ اسپین ہی غیروں کے ذریعے جب اسپین پر قبضہ کئے جانے کی کوشش کی گئے تو وہاں ایک پاگل کو لا کھڑا کیا گیا جو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں گستاخیاں کئے جاتا لوگ اسے دیوانہ کہہ کر گزر جاتے نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ جو قوم اپنے نبی کی عظمت انکی ناموس کو محفوظ نہیں رکھ سکتی وہ کیا خود کی حفاظت کر پائے گی آخر کار وہ اسپین جہاں مسلمانوں کا رعب ودبدبہ تھا، جہاں اسے عروج وسرخروئی کا مقام حاصل تھا مسلمانوں سمیت وہ سارا کے سارا تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ اس طرح کی کئی ایک مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور بہت ممکن ہے کہ یہ جو گستاخی بھری فلم ہے آئندہ کسی منصوبہ بند عمل کی شکل میں ہمیں آلگے اس لئے بہت غور وفکر اور سنجیدہ رہ کر سوچیں سر پر ہتھیلی لئے پھرنے کا وقت نہیں۔ یہ وقت عمل وقت عمل وقت عمل ہے۔

یاد رکھیں! ہمیں ردعمل نہیں بلکہ اپنے آپ کو درعمل کرنا اور عمل کا اظہار کرنا ہوگا۔ اسلام امن وشانتی کا مذہب ہے اور جس کا ایکشن (عمل) کے ذریعے ہی توقع کیا جاسکتا ہے لہذا ری ایکشن کا مذہب نہیں ورنہ نظام کائنات میں تبدیلی آجائے گی جو ہمارے قواعد وقوانین سے انحراف کرنے کے مترادف ہوگا جو ناقابل قبول ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہر دور میں نبی ﷺ کی گستاخی مہنگی پڑی اور سخت پکڑ کا باعث بنی۔ قرآن پاک میں بارہا رب العزت نے نبی ﷺ کی توہین کرنے والوں کو وعیدیں کی اور سوئے عاقبت کی تحذیر بھی۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تاریخ دنیا اس بات کی گواہ ہے کہ گستاخان نبی ﷺ کا کیا حشر ہوا۔ زمانہء نبویہ ﷺ میں حضرت عمر کی تلوار گستاخانان

نبی ﷺ اور شاتمان رسول ﷺ کے لئے ہمیشہ تیار رہا کرتی تھی ۔ جہاں کہیں آپ گستاخی محسوس کرتے فوراً تلوار باہر ہوتی اور اجازت کے خواہاں ہوتے اور عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو اس کا سر قلم کردو یہ رہا کرتا تھا ان کا رویہ اور یہ تھا وہ زمانہ ۔مگر موجودہ دور میں جمہوریت کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے دائرۂ عمل کو سمیٹنا پڑے گا اور احتجاج کا پرامن طریقہ اپنانا ہوگا اور پتھر کا جواب پتھر سے نہیں اخلاق حسنہ کے موم سے دینا پڑے گا ملک کے قوانین کے رعایت کرتے ہوئے جس قدر ممکن ہو اپنی استطاعت بھر اس کا ردعمل ضرور کریں اس انداز میں کہ ہمارا ہر پہلو مثبت ہو تا کہ نتیجہ بھی مثبت برآمد ہو اور ہم دنیا والوں کو غلامان رسول ہونے کا سچا ثبوت تو پیش کرسکیں۔

یاد رکھو! اس واقعہ سے دیا جانے والا سب سے بڑا چیلینج حب نبی ﷺ کو دلوں سے نکال دینا ہے۔لہذا ہم اپنے اور اپنے بچوں کے دلوں میں عشق نبی کی کرن روشن کریں۔آپ کی مقدس سیرت طیبہ کا درس لیں اور دیں تعلیم وتعلم سے قلبی لگاؤ رکھیں ۔تبلیغی مشن جاری رکھیں اور قرآن وسنت کے عین موافق اپنی روزمرہ کی زندگی کا شیڈول بنالیں واقعی یہ اس کا سب سے بڑا جواب ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عہد کریں کہ امریکہ سے کوئی باہمی تعاون نہ ہوگا۔ ہم ہر طرح سے گستاخانان نبی اور انکی تائید کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں اور ان سے اپنی مکمل بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

امریکہ نے جب یہ بل پاس کیا تھا کہ کسی کے دل کو ٹھیس لگتی ہو تو یہ آزادیٔ اظہار نہیں بلکہ یہ عین اذارسانی ہے۔انسانی حقوق کے تحت جا بجا لکھا ہوا ہے کہ آپ کسی کے جذبات کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے ۔مسلمانو! آزادیٔ اظہار کا حق ہمیں قرآن نے دیا ہے مگر تہذیب وتمدن اور انسانی اخلاق کے دائرہ میں رہ کر۔ رہ گیا سوال یہ ہے کہ معتز امریکہ اور انکے ہم خیال دیگر حامین مغربی ممالک اس ناپاک عمل کو اظہار رائے کی آزادی کے نام سے منسوب کررہے ہیں بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر اپنے ممالک میں نمائش کئے جانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھ رہے ہیں ۔ پہلے ہی ایک منفی و مجروح عمل اس پر سکوت مع عفواً ومعذرۃً کرلیا ہوتا تو معاملہ اس قدر طول نہ پکڑتے ہوئے آپسی افہام وتفہیم میں درست ہوجاتا مگر اس پر ان کا یہ ردعمل ساتھ ہی امن کے داعی جو اجتماع النقیضین کی وجہ سے محال ہے اور دراین صورت مطالبہء امن درست نیست ۔اس لئے پہلے اپنے قبیح حرکات وسکنات سے باز آئیں پھر امن کی بات کریں ۔ ساتھ ہی ساتھ عہد کریں کہ امریکہ سے کوئی باہمی تعاون نہ ہوگا۔ ہم ہر طرح سے گستاخانان نبی اور انکی تائید کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں اور ان سے اپنی مکمل بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

مسلک اہلسنت و جماعت ہی کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے کہ ''تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں ، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو(آل عمران :۱۱۰)''اس آیت کریمہ کے تحت خلیفہ سیدنا اعلیٰ حضرت ، مفسرین قرآن حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین قادری رضوی مرادآبادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں''سید عالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے ،جو جماعت سے جدا ہوا دوزخ میں گیا۔''(ترمذی شریف)(خزائن العرفان)اس جماعت کا نام اللہ تعالیٰ نے مسلمان رکھا،ارشاد باری تعالیٰ ہے''اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا''(الحج :۷۸)اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویہ کا نام ''مسلمان'' رکھا اور آج بین المذاہب اسی نام سے مشہور ومعروف ہے۔ جب یہ مقدس نام اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خود عطا فرمایا تو دیگر ناموں کے رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟اس سوال کا حل تلاش کرنے کے لئے ہمیں تاریخ کی اوراق گردانی کرنی ہوگی تا کہ ہم صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں۔

مولانا محمد شاہد القادری

(بحوالہ: مسلک اعلیٰ حضرت حقائق ومعارف)

صلح کلیت ایک وباء عام

از: محمد جبران رضوی ضیائی

مذہب اسلام ایسا فطری مذہب ہے جس کی شان یہ کہ ہر جگہ اس کی بہاریں رنگ لاتی نظر آتی ہیں۔ دنیا کے دیگر مذاہب اور اہل مذاہب میں جو آج کل طرح طرح کی سوچ پیدا ہو رہی ہیں اس کو خدائے تعالی نے دستور اسلام بنا کر قرآن مجید میں بہت پہلے ہی ذکر فرما دیا ہے اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **الإسْلامُ يَعْلُو وَ لا يُعلىٰ** کہ اسلام ہر جگہ غالب ہوتا ہے اس کی شان ہی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے اسی لئے دنیا میں نو پید ہزاروں مسائل کے پیش نظر اس مذہب کے قوانین و دستاویزات میں ٹویسٹ (Twist) نہیں آتا۔ آج بھی انہیں اصول وضوابط پر مسائل کا حل ہوتا ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر مسئلے کی اصل اسی قرآن شریف تک جا کر رک جاتی ہیں کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں خدائے تعالی نے از وجود عالم تا قیام قیامت ہونے والے ہر چیز کی نشاندہی فرما دی ہے خدائے تعالی فرماتا ہے ﴿**وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ**﴾ (الانعام..۵۹) تو اس سے پتہ چلا کہ اسلام کی حقیانیت کی دلیل عدم تغیر اور استقامت ہے اس قاعدۂ کلیہ کی جانکاری کے بعد بھی اگر کوئی آدمی اپنی کم علمی اور ہٹ دھرمی سے یہ کہہ کر کے کہ یہ قواعد اُس زمانے کیلئے خاص تھے اِس زمانے میں اس کو کوئی ضرورت نہیں تو وہ گمراہ ہے

الإسْلامُ يَعْلُو وَ لا يُعلىٰ کے تحت اگر دیکھا جائے تو دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ اسلام نے کسی غیر سے اپنے اصولی معاملات میں مصالحت یا کامپرامائز (Compromise) کیا ہو...... کسی اسلام کش مسئلے کو سراہا ہو...... یا کہا ہو کہ فلاں کا طریقہ اسلام کے طریقے سے اچھا ہے بلکہ ہمیشہ اسلام اور بانئ اسلام نے اس کی مخالفت ہی کی ہے اس پر بے شمار احادیث وارد ہیں، آثار برآمد ہوئے ہیں، اسلام کی معتمد اسفار میں زریں الفاظ میں کندہ کئے گئے ہیں۔ لیکن آج دنیا میں کچھ ایسے بھی خاک باز و خانہ ساز ہیں...... ایسے بھی شخصیت سازی کے آباء الہوس ہیں جو یہ نعرہ بلند کرتے جاتے ہیں کہ اصول ٹوٹے تو ٹوٹے مگر عزت نہ ٹوٹے ان کے اس مشن کو دیکھ کر حیرانی بھی انگشت بدنداں ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بنیاد ٹوٹ جائے مگر گھر نہ ٹوٹے؟ دنیا کا بھی عجب ماحول ہے سوچتے ہیں کہ سب کو ایک ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیں تو ہمارا جتھا بڑا ہو جائیگا اور ببانگ دہل اسٹیجوں مجلسوں اور پروگراموں میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ سب برابر ہیں ''من تو شدم تو من شدی'' بھلا سب برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا وہ یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ 'ایمان بھی ایمان ہے اور کفر بھی ایمان ہے' 'جنت بھی جنت ہے اور جہنم بھی جنت ہے'- **حَاشَا وَ هَيهَات**- صحیح کہا ہے کسی نے۔ ع خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے

معتبر تاریخ کی کتابیں اور مرویاتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگی کہ جب اللہ تعالی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت اور ببانگ دہل توحید و رسالت کا پیغام بلند کرنے کا حکم فرمایا تو کفار قریش- جو حق کو جانتے ہوئے بھی کہ یہ نبی ہیں اپنے تمرد و ہٹ دھرمی پر رہے- جناب ابو طالب کے عشرت کدے میں بشکل وفد آتے ہیں اور ابو طالب کے ذریعے بارگاہ رسالت میں مصالحت کا دست دراز کرتے ہیں ابو طالب جب ان کفار کا پیغام لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے میرے بھتیجے اب میں تمہارے لئے دفاع کرتے کرتے کمزور ہو گیا ہوں نہایت ضعیف ہو گیا ہوں وہ لوک میرے پاس آئے تھے تا کہ میں تمہیں ان کی طرف سے مصالحت کا پیغام دے دوں ان کا کہنا ہے کہ اگر تمہیں مال و ثروت چاہئے تو وہ تمہیں دینے کیلئے تیار ہیں...... اگر تم ان لوگوں کی سرداری چاہتے ہو تو وہ تمہیں اپنا سردار بنانے کے لئے راضی ہیں...... اور اگر تم چاہتے ہو کہ اس عربستان کی سب سے خوبصورت عورت تمہاری بیوی بنے تو وہ تمہیں دینے کیلئے تیار ہیں بس وہ تم سے اتنا چاہتے ہیں کہ تم اپنے اس وحدانیت کے دعوے کو چھوڑ دو، تم ان کے ارباب کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو تو رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے چچا جان اگر آپ ضعیف ہو گئے ہیں تو بیٹھ جائیں پھر فرمایا: **وَاللّٰهِ يَا عَمِّ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الأَمْرَ- حَتّٰى**

يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أُهْلِكَ فِيهِ -مَا تَرَكْتُهُ قسم بخدا چچا اگر وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند اس شرط پر کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ اللہ اس کو ظاہر کر دے یا میں اس میں ہلاک ہو جاؤں تب بھی میں یہ کام نہیں چھوڑونگا۔اگر اصول دین میں کسی بھی طریقے سے مصالحت جائز ہوتی تو سب سے پہلے مصالحت کرنے والے ہم سب کے جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔تاریخ کی کتابوں میں ایک اور واقعہ منقول ہوتا ہے تقریباً دس ہجری کا واقعہ ہے کہ جب مسیلمہ بن حبیب (مسیلمہ کذاب) بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ سو لوگوں کا وفد لے کر حاضر ہوتا ہے کہتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہارے دین کو قبول کرنے کیلئے تیار ہیں مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ تم اپنی جانشینی تمہارے بعد مجھے سونپ دو-ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے جس طرح وہ غیب کی خبر رکھتے تھے اسی طرح وہ غیب کا مشاہدہ بھی فرماتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ مسیلمہ کا مستقبل اسلام میں کیا کیا گل کھلائیگا-اس وقت رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں کھجور کی ٹہنی ہوتی ہے- جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسیلمہ! تو خلافت کی بات کرتا ہے!قسم خدا کی اگر تو میرے ہاتھ کی یہ ٹہنی بھی پوچھا ہوتا تو میں تجھے یہ ٹہنی تک نہ دیتا۔آج کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کا پاؤں نہیں بلکہ پورا بدن زلف یار میں پھنسا ہوا ہے جب دیکھتے ہیں کہ بٹیر ہاتھ نہیں آئیگا، انگور حاصل کرنا ان کے بس کی بات نہیں-تو زاغ کو اسباب تجاوز راہ سمجھ کر یا پھر مراد کو محال سمجھ کر اس کو عیب دار بنا کر اپنی الجھی ہوئی نیا کو پار لگانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور دلیل پر دلیل دیتے ہیں۔اور کچھ ایسے شیاطین الامن پیدا ہو گئے ہیں جو امن کا نام نہاد جھنڈا لے کر ہر چہار دانگ یہ شور مچاتے گھوتے ہیں کہ ہم سب ایک ہیں اور رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امن کا پیغام دیا، بھائی چارگی کا درس دیا تو ہم کیوں آپس میں لڑیں (حالانکہ وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ ہماری ان سے دشمنی کسی ذاتی رنجش سے نہیں بلکہ وہ ہمارے دلوں کی جان، فخر زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی وجہ سے ہے) اور وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ کو اپنی ڈھال بنا کر اس موضوع پر لچھے دار تقریر کا جو سلسلہ وہ بناتے ہیں اسے سن کر لوگ یقیناً اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کا گن گانے لگتے ہیں لیکن پس پردہ وہ اپنی سیاسی گدی کو مستحکم کرنے کی پرزور کوشش کر رہے ہوتے ہیں لیکن قسم اس خدا کی جو سارے جہاں کا مالک ہے، وہی احکم الحاکمین ہے۔وہ جسے چاہے وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ کا تاج افتخار پہنا دے اور جسے چاہے وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ کی طوق زیب گردن کر دے۔

یہ وہ رب عز و جل ہے جس نے رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنی توہین کرنے والے (ابولہب) کے رد میں ایک مستقل سورہ نازل فرمایا...... یہ وہ رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ذوالخویسرہ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اس کی غلطی یہ تھی کہ اس نے رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم کو مَقْطُوعُ النَسْل کہا تھا پھر جان کی امان کے لئے کعبے کا غلاف کو پکڑ کر رونا شروع کیا مگر رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ گستاخان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں...... یہ وہ صحابہ کرام ہیں جن میں سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مہمان جو ایک بدمذہب تھا اس کی خباثت ظاہر ہونے پر اس کے سامنے سے دسترخوان کو اٹھا لینے کا حکم فرمایا اور رہتی دنیا تک کیلئے یہ درس دیدیا کہ گستاخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً شفقت (Sympathy) کا مستحق نہیں یہ ایسی قوم ہے جن کے ساتھ انسانیت کے تقاضے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

جو آج صلح صلح کہتے گھوم رہے ہیں ذرا ان کے والدین کو گالی دے دی جائے تو وہ آپے سے باہر ہو جائیں اور جن کے صدقے میں ان کے والدین اور وہ خود پیدا ہوئے بلکہ ساری کائنات جس ذات بابرکت کے باعث وجود میں آئی ہے ان کو گالی دینے والے سے محبت؟ نہیں! یہ ہرگز ایک سلیم الذوق والحواس کی عقل گنوارا نہیں کریگی۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں صلح کلیت جیسی وباء سے محفوظ رکھے اور ہمیں اپنے ایمان پر استقامت عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔